١٩٩٥

تدبر

لاہور

زیرِ نگرانی:

مولانا امین احسن اصلاحی

مُدیر:

خالد مسعود

یکے از مطبوعات

ادارۂ تدبرِ قرآن و حدیث

لاہور۔ پاکستان

نئی مطبوعات

مولانا امین احسن اصلاحی کی درج ذیل تصانیف مطالعہ فرمائیے:

○ فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں ۸۷/- روپے

موضوعات: خدا کی ذات و صفات۔ کائنات میں انسان کا مقام۔ خیروشر۔ جبرواختیار۔ آخرت اور جزا و سزا۔ نظام نبوت

○ مقالاتِ اصلاحی۔ جلد اول ۹۹/- روپے

موضوعات: اسوۂ حسنہ۔ جماعت اسلامی سے علیحدگی کی بنیادیں۔ معاشرہ کی اصلاح کا منہاج۔ مغربی تہذیب سے مرعوبیت کے اثرات

○ اسلامی قانون کی تدوین ۵۱/- روپے

○ مجموعہ تفاسیر فراہی (مصنفہ امام فراہیؒ) ۲۴۰/- روپے

○ تفہیمِ دین ۶۳/- روپے

موضوعات: قرآنیات۔ تحقیق حدیث و سنت۔ فلسفۂ دین۔ اسلامی نظام اجتماعی۔ قومی و ملی معاملات۔

فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲- فیروز پور روڈ۔ اچھرہ۔ لاہور ۵۴۶۰۰

فون - ۷۵۸۰۸۰۰

زیر نگرانی:

مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر:

خالد مسعود

تدبر لاہور

ستمبر 1995ء

شمارہ نمبر 51

جمادی الاول 1416ھ

فہرست

تذکرہ و تبصرہ

دام ہم رنگ زمین — خالد مسعود — 2

تدبر قرآن

تفسیر سورہ بنی اسرائیل — خالد مسعود — 5

تدبر حدیث

تعلیم کا حکیمانہ انداز — امین احسن اصلاحی/سعید احمد — 13

چوری اور شراب خوری کی سزائیں — امین احسن اصلاحی/سعید احمد — 23

مقالات

فتح مکہ — خالد مسعود — 37

مجلسِ ادارت:

عبداللہ غلام احمد

ماجد خاور

محبوب سبحانی

سعید احمد

قیمت: ۱۰/- روپے

سالانہ: ۴۰/- روپے

بیرون ملک: ۲۰۰/- روپے

ناشر: ادارہ تدبر قرآن و حدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد لاہور

مطبعہ: المطبعۃ العربیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

خالد مسعود

دام ہم رنگ زمین

جمہوریت بہترین طرز حکومت ہے جس میں عوام الناس مملکت کے انتظام میں خود شریک ہوتے ہیں' اپنی مرضی کے فیصلے کرتے' اپنی فلاح و بہبود کے منصوبے تشکیل دیتے اور ان کو عمل میں لاتے ہیں۔ جمہوریت کے سوا ہر طرز حکومت قابل مذمت ہے کیونکہ اس میں عوام کی رائے کو دخل نہیں ہوتا۔ ملک و وطن سے محبت جز و ایمان ہے۔ نسلی طور پر اپنی قوم سے وابستگی' اس کو دوسری قومیتوں پر ترجیح دینا اور ہر قیمت پر اس کو فائدہ پہنچانا ایک اعلیٰ جذبہ ہے۔ اس کے منافی کام اپنی قوم سے غداری ہے۔ انسان آزاد پیدا ہوا ہے۔ اس کی اس حیثیت کی بنا پر اس کو تقریر و تحریر' شغل و تفریح' کام کاج' ہر چیز میں آزادی کے حقوق حاصل ہیں۔ ان حقوق کو سلب کرنا یا ان پر پابندی عائد کرنا ظلم اور بے انصافی ہے۔ خواتین انسانی آبادی کا نصف ہیں۔ نصف آبادی کو معطل کر دینا کسی طرح قرین انصاف نہیں۔ ان کے ساتھ برابری کا سلوک ہونا چاہئے۔ اگر کوئی ان کو مردوں کے مساوی قرار دینے پر تیار نہیں ہوتا تو وہ قابل نفرت ہے اور خواتین کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ بزور اس سے اپنے حقوق منوائیں۔

مذکورہ بالا تمام خیالات کا ریڈیو' ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعے پرچار اس قدر تسلسل کے ساتھ کیا جا رہا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص ان کا قائل ہو چکا ہے۔ وہ ان کو بالکل سامنے کی حقیقتیں تسلیم کرتا ہے جن کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مسلمان یقین رکھتا ہے کہ عوام الناس کو اسلام نے اتنا اعتماد دیا کہ وہ حکومت کے سربراہوں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے اور ان کا محاسبہ کرتے۔ اسلامی ریاست کی عدلیہ ایک عام آدمی اور اشراف کے درمیان کسی امتیاز کی روادار نہ تھی' وہ ہر شخص کو اس کا حق دلاتی تھی' لہٰذا اسلام سے زیادہ جمہوریت پسند نظریہ اور کون سا ہے؟ اسی طرح ارباب اختیار اور عوام الناس کے لئے نصح و خیر خواہی کا جذبہ تو ہر مسلمان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ ایک مسلمان اپنی قوم کو کیسے نظر انداز کر سکتا ہے؟ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بااختیار اور آزاد پیدا کیا ہے۔ اس کے حقوق کو سلب کرنا یقیناً" ظلم ہے اور یہ صفت اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں نہایت ناپسندیدہ ہے۔ لہٰذا انسانی حقوق کی پاسداری سے ایک مسلمان کس طرح پہلو تہی کر سکتا ہے؟ خواتین کو دین نے بلند مرتبہ دے رکھا ہے۔ ان کی خدمات بحیثیت ماں' بہن' بیٹی اور بیوی نہایت شاندار ہیں۔ ان کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا رویہ وہی شخص اختیار کر سکتا ہے

جسے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کا مطلقاً" احساس نہ ہو۔ اسلام کی ان تعلیمات کی روشنی میں ایک مسلمان متذکرہ بالا تصورات کو اپنے لئے اجنبی نہیں سمجھتا اور جب وہ میڈیا میں ان کا پروپیگنڈا سنتا ہے تو ان تصورات کی تائید کرنے لگتا ہے۔

لیکن معاملے کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب سے آئی ہوئی جمہوریت' نیشنلزم' بنیادی انسانی حقوق اور آزادی نسواں کی اصطلاحیں ایک خاص مفہوم رکھتی ہیں جس سے اسلام کا کوئی تعلق ہے اور نہ مسلمانوں کا ذہن اس سے آشنا ہے۔ مثلاً" مغربی تصور جمہوریت میں اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت کا حق انسانوں کا ہے۔ ان کی اکثریت اگر کسی باطل کو حق کہنا شروع کر دے اور کسی حق کو باطل قرار دے دے تو یہ بات مملکت کا دستور بن جائے گی۔ امر واقعہ بھی یہی ہے کہ بعض خلاف فطرت گھناؤنے جرائم کو مغربی معاشروں نے محض اس لئے درست تسلیم کر رکھا ہے کہ عوامی نمائندوں کی اکثریت کی رائے ان کے حق میں تھی۔ اس کے برعکس اسلام میں کوئی بھی حکومت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کو چیلنج نہیں کر سکتی اور نہ کوئی مسلمان یہ سوچ سکتا ہے کہ وہ نیکی کو بدی اور بدی کو نیکی قرار دے دے۔ پس اسلام میں جمہوریت کا تصور اس سے مختلف ہے جو آج مغربی ممالک میں رائج ہے۔

نیشنلزم کے مغربی فلسفے میں یہ بات شامل ہے کہ حق و انصاف نام کی کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں۔ اپنی قوم صحیح یا غلط جو چاہتی ہو' اس کا ساتھ دینا ضروری ہے۔ عقیدہ و مذہب کی بنا پر قوم میں وحدت پیدا نہیں کی جا سکتی۔ اسی فلسفے کے زہر نے مسلمانوں کے نظام خلافت کو نابود کرنے میں موثر کردار ادا کیا اور عربوں کو تقسیم کر کے ان کی قوت ختم کر دی۔ آج بھی مغرب جن بڑے ملک کی قوت ختم کرنا چاہتا ہے' اس میں ایسی تحریکوں کی پشت پناہی کرتا ہے جو قومیت کے جذبات کو ابھارنے والی اور ملکی وحدت کو ختم کرنے والی ہوں۔ اس کے برعکس اسلام نے ایک آفاقی نظریہ دیا ہے اور عقیدہ و دین کی بنیاد پر ایک امت بنائی ہے۔ کسی بھی جغرافیائی حدود میں رہنے والے' کسی بھی رنگ اور نسل کے اور کوئی بھی زبان بولنے والے افراد اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے خونی و نسلی رشتوں اور قومیتوں کی اہمیت کو بھی تسلیم کیا ہے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی نصیحت کی ہے۔ معلوم ہوا کہ اس دائرے میں بھی مغربی نیشنلزم کا تصور اسلام سے متصادم ہے۔

یہی صورت حال بنیادی انسانی حقوق کی ہے۔ اسلام ہر شخص کو حقوق عطا کرتا ہے لیکن چونکہ انسان کی خواہشات اس کو غلط رخ پر بھی لے جا سکتی ہیں اس لئے وہ اس پر پابندیاں بھی عائد کرتا ہے تاکہ وہ دوسرے انسانوں کے حقوق تلف کرنے والا نہ بن جائے اور اس کی آزادی اس کو تباہی کی طرف نہ لے جائے۔ اسلامی شریعت ایسی پابندیوں سے عبارت ہے۔ اس کے برعکس مغرب انسان کو ایسے بنیادی حقوق دینا چاہتا ہے جن کے تحت وہ مادر پدر آزاد ہو جائے' اس کے اندر اعلیٰ اخلاقی قدروں کا

کوئی پاس و لحاظ نہ ہو اور ہر شخص صرف اپنے مفاد کو عزیز رکھے۔ ظاہر ہے کہ مغرب اور اسلام کے دیئے ہوئے بنیادی حقوق میں زمین اور آسمان کا بعد ہے۔

یہی حال خواتین کی حیثیت کا ہے۔ اسلام نے جس طرح انسانی بنیادی حقوق میں آزادی اور پابندی کا امتزاج رکھا ہے اسی طرح خواتین کے حقوق و فرائض میں اس نے توازن قائم کیا ہے۔ اسلام میں عورت کو گھر کے اندر وہ حقوق دیئے ہیں جو آج تک مغرب بھی اپنی خواتین کو نہیں دے سکا لیکن بیرون خانہ اس پر بعض پابندیاں بھی عائد کی ہیں جن کا مقصد اس کی عزت و عفت کا تحفظ ہے۔ اس کے برعکس مغرب عورت کو بے محابا آزادی دے کر اس کو نکاح تک کی پابندی سے آزاد کر کے سبھا کی پری بنانے کا قائل ہے۔ مغرب کے اس نقطہ نظر کی اصل بنیاد تو اخلاقی فساد اور شیطنت ہے جس کی سزا عائلی نظام کی تباہی کی صورت میں اس نے پالی ہے۔ تاہم وہ اس فساد کو تمام دنیا میں پھیلانے کا خواہشمند ہے تاکہ اس پر انگلی رکھنے کا کسی کو موقع نہ ملے اور وہ ساری دنیا کی ناک کٹوا دے۔

تہذیب مغرب اور اسلام کے تصورات کا اختلاف انہی چند اصطلاحات تک محدود نہیں بلکہ آج میڈیا میں جو زبان استعمال کی جاتی ہے اس میں یہ اہتمام کیا جاتا ہے کہ الفاظ بظاہر بے ضرر نظر آئیں لیکن حقیقت میں ان سے مراد وہ معنی لئے جائیں جو اہل مغرب ان کو پہناتے ہیں۔ یہ دام ہم رنگ زمین ہے۔ مغرب ہمیں غلط فہمی میں ڈال کر اپنا بندہ بے دام بنانے پر تلا ہوا ہے۔ مثلاً" بنیاد پرستی اسلام کا بنیادی تقاضا ہے اور اس کا مفہوم اس حقیقی اسلام کو اختیار کرنا ہے جو قرآن و سنت میں ہے' لیکن مغرب نے اس کو ایسی گالی بنا دیا ہے کہ مسلمانوں کے زعما اس کے ساتھ نسبت سے ڈرتے اور یہ وضاحتیں کرتے ہیں کہ وہ فنڈا منٹلسٹ نہیں ہیں۔ دہشت پسندی اسلام میں ہرگز پسندیدہ نہیں ہے لیکن مغرب اس لفظ کا سیاسی استعمال کرتا ہے اور ان قوموں کو دہشت گرد قرار دیتا ہے جو اپنے قومی حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد کریں۔ اسلام کا تصور جہاد بھی اس کے نزدیک دہشت گردی ہے جبکہ اسرائیل اگرچہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ملک ہے لیکن اس پر اس لفظ کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔

مغرب کے اس انداز تعبیر سے دوسرے مذاہب والوں کو فرق نہیں پڑتا کیونکہ ان کے پاس مغربی تصورات کے مقابل پیش کرنے کے لئے کوئی نظام موجود نہیں۔ اسلام چونکہ زندگی کے ہر دائرے میں واضح حدود مقرر کرتا ہے اس لئے وہ مغرب کی اس شیطنت کا اصل ہدف بنتا ہے اور ہمارے ارباب اختیار مغرب کے آلہ کار بننے کے لئے ہمہ وقت مستعد رہتے ہیں۔ وہ ان باطل تصورات کی ترویج عوامی پیسے کے زور سے کرتے اور اس کے بدلے میں بڑے ممالک کی رضا کے طالب رہتے ہیں۔

حال ہی میں بیجنگ میں خواتین کی بہبود کے نام پر منعقد ہونے والی کانفرنس نے خواتین کے حقوق کے سلسلہ میں جو فیصلے کئے ہیں وہ نہ صرف اسلام بلکہ ہر اس نظام کو للکارتے ہیں جو عورت کی عصمت و عفت کو اس کی قیمتی متاع سمجھتا ہے۔ یہ فیصلے دنیا میں شیطان کا ناچ شروع کرنے کا باعث ہوں گے

اور ان کا نتیجہ اس صورت میں نکلے گا کہ آج مغرب جس عائلی فساد اور اخلاقی انتشار میں مبتلا ہے' وہ متعدی ہو کر پورے عالم پر چھا جائے گا۔ ہماری وہ محترمات جنہوں نے کانفرنس میں اپنے اسلامی ملک کی نمائندگی کی تھی وہ آج کانفرنس کے نتائج کے بارے میں منقار زیر پر ہیں۔ ان کا کوئی بیان یا رد عمل سامنے نہیں آیا۔ حالانکہ انہیں اب کامیابی کا کریڈٹ لینے کے لئے سرگرم ہونا چاہئے تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ اس انتظار میں ہیں کہ عوام کے حافظہ سے کب اس کانفرنس کے نتائج محو ہوتے ہیں کہ وہ اگلے مراحل پر کام شروع کر سکیں۔

بین الاقوامی پلیٹ فارم پر اور اقوام متحدہ کی اشیرباد سے ہونے والے فیصلوں کا خطرناک پہلو یہ ہوتا ہے کہ دشمنان اسلام اگلے مراحل میں ان فیصلوں کو حکومتی اہل کاروں کی مدد سے قانون کا حصہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور جو ممالک اس پر آمادہ نہیں ہوتے ان پر بین الاقوامی پابندیاں لگا کر ان کو بے دست و پا کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا تجربہ ہمیں ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود ہم اپنی آنکھیں موند لیں تو ہماری مرضی۔ آج اس امر کی ضرورت ہے کہ عوام مغرب کے اس دام ہم رنگ زمین کو پہچان جائیں اور اس کے عزائم کو ناکام بنانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ اگر وہ بیدار ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ارباب اختیار آسانی سے مغرب کے آلہ کار بن جائیں۔ دوسری صورت میں انہیں تیار رہنا چاہئے کہ مغرب ان کے دین و اخلاق کی جڑیں کاٹنے سے باز نہیں آئے گا اور وہ اپنی متاع دین و ایمان گنوا بیٹھیں گے۔

****

حدیث رجم:

ہمارے ایک معزز قاری نے مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ کے دروس حدیث میں مذکور اس بات کی تائید میں حوالے لکھ بھیجے ہیں کہ دور رسالت میں بعض عورتیں آزاد منش تھیں' وہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو اپنا نہیں پائی تھیں اور معلوم ہوتا ہے کہ غامدیہ' جس کو آنحضرت ﷺ نے رجم کروایا' اسی قماش کی ایک خاتون تھی۔

صحیح بخاری کی کتاب الطلاق کے ابواب 186 ' 191 اور کتاب المحاربین کے باب 922 میں حضرت ابن عباس ؓ کی ایک روایت آئی ہے جس کے مطابق شوہر کی اس درخواست پر کہ اس نے اپنی بیوی کو کسی شخص کے ساتھ ملوث پایا نبی ﷺ نے میاں بیوی کے درمیان لعان کرایا۔ ان روایات میں بیان ہوا ہے کہ ابن عباس ؓ کے ایک شاگرد نے ان سے دریافت کیا کہ کیا یہ عورت وہی تھی جس کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر میں کسی کو بغیر شہادت سنگسار کر سکتا تو اس عورت کو سنگسار کرتا۔ ابن عباس ؓ نے جواب دیا کہ نہیں' یہ جملہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کے متعلق فرمایا تھا جو اسلام کے باوجود کھلے بندوں فحاشی کا ارتکاب کرتی تھی۔ ہمارے یہ معزز قاری اس علمی خدمت پر شکریہ کے مستحق ہیں۔

تدبر قرآن

خالد مسعود

تفسیر سورہ بنی اسرائیل

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو لے گئی ایک شب مسجد حرام سے اس دور والی مسجد تک جس کے ارد گرد کو ہم نے برکت بخشی تاکہ ہم اس کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں (1)۔ بے شک سمیع و بصیر وہی ہے ○ 1

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت نامہ بنایا کہ میرے سوا کسی کو معتمد نہ بنائیو ○ اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کرایا۔ بیشک وہ ایک شکرگذار بندہ تھا ○ 3

اور ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے اس فیصلہ سے کتاب میں آگاہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد مچاؤ گے (2) اور بہت سر اٹھاؤ گے ○ پس جب ان میں سے پہلی بار کی میعاد آ جاتی ہے تو ہم تم پر اپنے زور آور بندے مسلط کر دیتے ہیں تو وہ گھروں میں گھس پڑے (3) اور شدنی وعدہ پورا ہو کے رہا ○ پھر ہم نے تمھاری باری ان پر لوٹائی اور تمھاری مال اور اولاد سے مدد کی اور تمھیں ایک کثیر التعداد جماعت بنا دیا (4) ○ اگر تم بھلے کام کرو گے تو اپنے لئے کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو بھی اپنے ہی لئے۔ پھر جب پچھلی بار کی میعاد آ جاتی ہے تو ہم تم پر اپنے زور آور بندے مسلط کر دیتے ہیں کہ وہ تمھارے چہرے بگاڑ دیں اور تاکہ مسجد میں گھس پڑیں جس طرح پہلی بار گھس پڑے تھے اور تاکہ جس چیز پر ان کا زور چلے اسے تہس نہس کر ڈالیں (5) ○ کیا عجب کہ تمھارا رب تم پر رحم فرمائے اور اگر پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے اور ہم نے جہنم کو تو کافروں کے لئے باڑا بنا ہی رکھا ہے (6) ○ 8

بیشک یہ قرآن اس راستے کی رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ان ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں اس بات کی بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے ○ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○ 10

اور انسان برائی کا اس طرح طالب بنتا ہے جس طرح اس کو بھلائی کا طالب بننا چاہئے اور انسان بڑا ہی جلد باز ہے (7) ○ اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا، سو ہم نے رات کی نشانی تو دھندلی کر دی اور ہم نے دن کی نشانی کو روشن بنایا تاکہ تم اپنے رب کے فضل کے لئے کوشش کرو اور تاکہ تم سالوں کی تعداد اور حساب معلوم کر سکو (8) اور ہم نے ہر چیز کی پوری پوری تفصیل کر دی ہے ○ 12

اور ہم نے ہر انسان کا نصیبہ اس کے گلے کے ساتھ باندھ دیا ہے اور ہم قیامت کے روز اس کے لئے ایک رجسٹر نکالیں گے جس کو وہ بالکل کھلا ہوا پائے گا ○ لو، پڑھ لو اپنا اعمال نامہ! آج تم خود ہی اپنا حساب کر لینے کے لئے کافی ہو (9) ○ جو ہدایت کی راہ چلتا ہے تو وہ اپنے ہی لئے ہدایت کی راہ چلتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے ہی اوپر وبال لاتا ہے اور کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ اٹھانے والی نہیں بنے گی اور ہم عذاب دینے والے نہیں تھے جب تک کسی رسول کو بھیج نہ لیں (10) ○ 15

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس کے خوشحالوں کو امر کر دیتے ہیں تو وہ اس میں خوب اودھم مچاتے ہیں۔ پس ان پر بات پوری ہو جاتی ہے پھر ہم اس کو یک قلم نیست و نابود کر کے رکھ دیتے ہیں (11) ○ اور نوح کے بعد ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں اور تمھارا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر رہنے اور ان کو دیکھنے کے لئے کافی ہے ○ 17

جو دنیا ہی کا طالب بنتا ہے ہم اس کے لئے اسی میں جس قدر چاہتے ہیں، جس کے لئے چاہتے ہیں، آگے بڑھا دیتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کے لئے جہنم رکھ چھوڑی ہے جس میں وہ خوار اور راندہ ہو کر داخل ہو گا ○ اور جو آخرت کا طالب بنتا ہے اور اس کے شایان شان کوشش بھی کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو درحقیقت یہی لوگ ہیں جن کی سعی مقبول ہو گی (12) ○ ہم تیرے پروردگار کی بخشش سے ہر ایک کی مدد کرتے ہیں، ان کی بھی اور ان کی بھی۔ اور تیرے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں ○ دیکھو ہم نے ان کے ایک کو دوسرے پر کس طرح فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت درجات اور فضیلت کے اعتبار سے کہیں بڑھ کر ہے (13) ○ 21

اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو شریک نہ کر (14) کہ تو سزاوار مذمت اور دھتکارا ہو کر رہ جائے ○ اور تیرے رب کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرو۔ اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں، ان میں سے ایک یا دونوں، تو نہ ان کو اف کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے شریفانہ بات کہو ○ اور ان کے لئے رحمدلانہ اطاعت کے بازو جھکائے رکھو (15) اور دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب ان پر رحم فرما، جیسا کہ انھوں نے بچپن میں مجھے پالا ○ تمھارا رب جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے اس سے خوب واقف ہے۔ اگر تم سعادت مند رہو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بڑا بخشنے والا ہے ○ 25

اور تم قرابت دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی اور مال کو اللے تللے نہ اڑاؤ ○ اللے تللے اڑا دینے والے شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں (16) اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے ○ اور اگر تمھیں اپنے رب کے فضل کے انتظار میں، جس کے تم متوقع ہو، ان سے اعراض کرنا پڑ جائے تو تم ان سے نرمی کی بات کہہ دو ○ اور نہ تو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھے رکھو اور نہ اس کو بالکل کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ رہو ○ بے شک تمھارا رب ہی ہے جو رزق

کو جس کے لئے چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے (17) بیشک وہی اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور ان کو دیکھنے والا ہے ○ 30

اور تم اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل نہ کرو' ہم ہی ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی (18) بے شک ان کا قتل بڑا جرم ہے ○ اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو (19) کیونکہ یہ کھلی بے حیائی اور نہایت بری راہ ہے ○ اور جس جان کو خدا نے محترم ٹھہرایا اس کو قتل مت کرو مگر حق پر (20) اور جو ظلماً قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا تو وہ قتل میں حدود سے تجاوز نہ کرے کیونکہ اس کی مدد کی گئی ہے (21) ○ اور یتیم کے مال کے پاس نہ پھٹکو مگر اس طریقہ سے جو اس کے حق میں بہتر ہے' یہاں تک کہ وہ اپنے سن پختگی کو پہنچ جائے (22) اور عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد کی پرسش ہونی ہے ○ اور جب تم ناپو تو ناپ پوری رکھو اور وزن صحیح ترازو سے کرو۔ یہی بہتر اور مال کار کے اعتبار سے خوب تر ہے ○ اور جس چیز کا تمھیں علم نہیں اس کے درپے نہ ہوا کرو۔ کیونکہ کان' آنکھ اور دل' ان میں سے ہر ایک چیز کی پرسش ہونی ہے (23) ○ اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو' نہ تم زمین پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کے طول کو پہنچ سکتے ہو (24) ○ ان ساری باتوں کی برائی تمھارے رب کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہے ○ 38

یہ ان باتوں میں سے ہیں جو تمھارے رب نے حکمت میں سے تمھاری طرف وحی کی ہیں (25) اور خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو شریک نہ کرو کہ تم ملامت زدہ اور راندہ ہو کر جہنم میں جھونک دیئے جاؤ (26) ○ 39

کیا تمھارے رب نے تمھارے لئے تو بیٹے مخصوص کئے اور اپنے لئے فرشتوں میں سے بیٹیاں بنالیں۔ یہ تو تم بڑی ہی سنگین بات کہتے ہو (27) ○ اور ہم نے اس قرآن میں گوناگوں اسلوبوں سے بات واضح کر دی کہ وہ یاد دہانی حاصل کریں لیکن یہ چیز ان کی بیزاری ہی میں اضافہ کئے جا رہی ہے ○ کہہ دو کہ اگر کچھ اور الہٰ بھی اس کے شریک ہوتے جیسے یہ دعویٰ کرتے ہیں تو وہ عرش والے پر ضرور چڑھائی کر دیتے ○ وہ پاک اور بہت برتر ہے ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں ○ ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے (28) بے شک وہ بڑا ہی حلم والا اور بخشنے والا ہے ○ 44

اور جب تم قرآن سناتے ہو تو ہم تمھارے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے' ایک مخفی پردہ حائل کر دیتے ہیں (29) ○ اور ان کے دلوں پر حجاب اور ان کے کانوں میں ثقل پیدا کر دیتے ہیں کہ نہ اس کو سمجھیں نہ سنیں اور جب تم قرآن میں تنہا اپنے رب ہی کا ذکر کرتے ہو تو وہ نفرت کے ساتھ پیٹھ پھیر لیتے ہیں ○ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ جب یہ لوگ تمھاری طرف کان

لگاتے ہیں تو کس غرض سے کان لگاتے ہیں اور جب یہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں جب کہ یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم لوگ تو بس ایک سحرزدہ شخص کے پیچھے چل پڑے ہو ○ دیکھو' تم پر کیسے کیسے فقرے چست کر رہے ہیں۔ یہ لوگ کھوئے گئے ہیں' کوئی راہ نہیں پا رہے ہیں ○ 48

اور یہ کہتے ہیں کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو ہم از سر نو اٹھائے جائیں گے ○ کہہ دو کہ تم پتھر یا لوہا بن جاؤ ○ یا کوئی اور شے جو تمھارے خیال میں ان سے بھی سخت ہو (30) پھر وہ کہیں گے کہ ہمیں کون دوبارہ زندہ کرے گا؟ کہہ دو کہ وہی جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا۔ پھر وہ تمھارے آگے سر ہلائیں گے اور کہیں گے کہ یہ کب ہو گا؟ کہہ دو کہ عجب نہیں کہ اس کا وقت قریب ہی آ پہنچا ہو (31) ○ جس دن وہ تم کو پکارے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل کرو گے اور تم یہ گمان کرو گے کہ تم بس تھوڑی ہی مدت رہے ○ 52

اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہی بات کہیں جو بہتر ہے۔ بے شک شیطان ان کے درمیان وسوسہ اندازی کرتا رہتا ہے (32) شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن تو ہے ہی ○ تمھارا رب تم کو خوب جانتا ہے' اگر وہ چاہے گا تم پر رحم فرمائے گا یا اگر چاہے گا تم کو عذاب دے گا اور ہم نے تم کو ان پر مسئول بنا کر مامور نہیں کیا ہے ○ اور تمھارا رب ہی خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی (33) ○ 55

کہہ دو کہ ان کو پکار دیکھو جن کو تم نے اس کے سوا معبود گمان کر رکھا ہے' نہ وہ تم سے کسی مصیبت کو دفع ہی کر سکیں گے' نہ اس کو ٹال ہی سکیں گے ○ جن کو یہ پکارتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے رب کے قرب کی طلب میں سرگرم ہیں کہ ان میں سے کون سب سے زیادہ قرب حاصل کرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں (34) بے شک تمھارے رب کا عذاب چیز ہی ڈرنے کی ہے ○ 57

اور کوئی بستی ایسی نہیں ہے جس کو قیامت سے پہلے ہم ہلاک نہ کر چھوڑیں یا اس کو کوئی سخت عذاب نہ دیں (35) یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے ○ اور ہم کو نشانیاں بھیجنے سے نہیں روکا مگر اس چیز نے کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا۔ اور ہم نے قوم ثمود کو ایک اونٹنی ایک آنکھیں کھول دینے والی نشانی دی تو انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اس کی تکذیب کر دی۔ اور ہم نشانیاں بھیجتے ہیں تو ڈرانے ہی کے لئے بھیجتے ہیں (36) ○ 59

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے کہا کہ تمھارے رب نے لوگوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اور وہ رویا جو ہم نے تم کو دکھائی اس کو ہم نے لوگوں کے لئے بس ایک فتنہ ہی بنا دیا اور اس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت وارد ہوئی (37) اور ہم تو ان کو ڈراتے ہیں لیکن یہ چیز ان کی غایت سرکشی میں اضافہ کئے جا رہی ہے ○ 60

مضمون: نبی ﷺ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں کے انوار و برکات کے محافظ و امین ہیں اور قرآن مجید فطرت کی سیدھی راہ کی طرف رہنمائی دینے والی کتاب ہے۔ ان کی مخالفت کرنے والے اپنے انجام بد سے نہیں بچ پائیں گے۔

1- یہ واقعہ معراج کی طرف اشارہ ہے۔ نشانیوں سے مراد وہ آثار و مشاہد اور وہ انوار و برکات ہیں جن سے مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں معمور ہیں۔ معراج کے سفر میں نبی ﷺ کے لئے یہ بشارت تھی کہ ان دونوں مسجدوں کی امانت مشرکین قریش اور یہود جیسے ناقدروں اور بدعہدوں سے چھین کر آپ کے حوالے کی جانے والی ہے تاکہ آپ اس کے محافظ و امین ہوں۔

2- فساد سے مراد خدا کی توحید اور شریعت سے بغاوت ہے۔ پہلے فساد اور اس کے عبرت انگیز انجام سے یہود کو حضرت داؤدؑ' سعیاہ' یرمیاہ اور حزقی ایل علیہم السلام نے آگاہ فرمایا اور دوسرے فساد اور اس کے عواقب سے سیدنا مسیحؑ نے ڈرایا۔

3- یہ اشارہ ہے بابل اور نینوا کے بادشاہ بخت نصر کے حملہ کی طرف جس نے 586 ق م میں یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی اور یہودیوں کو ہزاروں کی تعداد میں غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گیا۔

4- یہ صورت حال اس وقت پیدا ہوئی جب 539 ق م میں ایران کے بادشاہ سائرس نے کلدانیوں کو شکست دی' یہود کو آزاد کرایا اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر نو کی۔

5- یہ تباہی یہود پر 70 ء میں رومی شہنشاہ ٹائٹس کے ہاتھوں آئی۔

6- یہ یہود سے خطاب ہے کہ اب اگر خیریت چاہتے ہو تو نبی امی ﷺ کی دعوت نے تمہارے لئے نجات کی جو راہ کھولی ہے اس کو اختیار کرو۔ اس کے نتیجہ میں خدا تم پر رحم فرمائے گا۔ ورنہ تم دنیا اور آخرت میں اپنی شامت بلاؤ گے۔

7- قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دینے کے بعد ان مخالفین کی بات پر تاسف کیا ہے جو عذاب کی نشانی کا مطالبہ کرتے تھے۔ فرمایا کہ انسان کا عجیب حال ہے کہ جس سرگرمی کے ساتھ اسے توبہ اور ایمان کا طالب ہونا چاہئے اسی سرگرمی کے ساتھ وہ اپنے لئے آفت کا مطالبہ کرتا ہے۔

8- یعنی اگر نشانی ہی دیکھنا مطلوب ہے تو یہ کیا ضروری ہے کہ عذاب ہی کی نشانی دیکھی جائے۔ روز و شب کی یکے بعد دیگرے پابندی اوقات کے ساتھ آمد و شد کی نشانی کیا کافی نہیں ہے۔

9- یہ عذاب مانگنے والوں کو تنبیہ ہے کہ ان کا نصیب تو خود ان کی گردن کے ساتھ آویزاں ہے۔ وہ جو کچھ حرکتیں کر رہے ہیں وہ اس میں درج ہو رہی ہیں۔ وقت آنے پر وہ اپنا حساب خود کر لینے کے اہل ہوں گے۔

10- یعنی اللہ تعالیٰ بندوں پر عذاب سے پہلے رسولوں کے ذریعے اتمام حجت کرتا ہے۔ تو رسول اللہؐ کی بعثت کے ساتھ عذاب کا پہلا مرحلہ تو طے ہو چکا۔ اب حجت تمام ہونے کی دیر ہے۔ لہٰذا عذاب آیا ہی سمجھو۔

11- یعنی جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش حالوں کو ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں تو وہ اس میں خوب کھل کر خدا کی نافرمانیاں اور بدمستیاں کرتے ہیں تاآنکہ ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے اور خدا اس بستی کو تہ و بالا کر دیتا ہے۔

12- جو لوگ آخرت کو نظر انداز کر کے صرف دنیا اور اس کے نفع عاجل کے طلبگار بنتے ہیں خدا ان کو دنیا سے محروم نہیں کرتا۔ جو مقدر ہوتا ہے ان کو وہ عطا کرتا ہے البتہ آخرت میں ان کا حصہ صرف جہنم ہے۔ جو لوگ آخرت کے طالب ہوتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ دنیا سے بالکل محروم نہیں کرتا بلکہ ان کا مقدر بھی ان کو ملتا

ہے اور آخرت میں بھی وہ اپنی کوششوں کا بھرپور صلہ پائیں گے۔

13- یعنی جب صورت حالات یہ ہے تو جس کو کوشش کرنی ہو وہ آخرت کے درجات و مراتب کا طالب بنے۔ اس دنیا کے پیچھے آخرت کو کیوں برباد کرے۔

14- سورہ نحل کی آیت 90 میں قرآن کے اوامر و منہیات کی اساسات کا ذکر ہوا تھا۔ اگلی آیات میں ان کی وضاحت ہے۔ ان بنیادوں پر صالح معاشرہ اور صالح تمدن کی عمارت استوار ہوتی ہے۔

15- یہ اچھے سلوک کی وضاحت ہے کہ نہ ماں باپ کے خلاف دل میں کوئی بیزاری پیدا ہونے پائے اور نہ زبان سے ان کے سامنے کوئی کلمہ سوء ادب کا نکلے بلکہ جب بھی ان سے بات کرنے کا موقع آئے شریفانہ اور سعادت مندانہ بات کرو اور ان کی دلداری و تسلی کرتے رہو۔ ان کی اطاعت محبت و شفقت پر مبنی ہونی چاہئے۔ بغیر اس جذبے کے کوئی شخص والدین کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

16- ظاہر ہے کہ جب ہر صاحب مال کے مال میں دوسروں کے بھی حقوق ہیں تو اس کے لئے صحیح رویہ یہی ہو سکتا ہے کہ احتیاط و اعتدال اور کفایت شعاری کے ساتھ اپنی جائز ضروریات پر خرچ کرے اور بقیہ مال میں وہ اپنے آپ کو دوسرے حق داروں کا امین سمجھے۔

17- یعنی رزق کی تنگی اور کشادگی کا انحصار آدمی کی اپنی تدبیروں پر نہیں ہے بلکہ یہ تمام تر خدا کی حکمت و مشیت پر منحصر ہے۔ بندے کے لئے صحیح رویہ یہی ہے کہ وہ احتیاط و اعتدال کے ساتھ اپنی ضروریات پر بھی خرچ کرے اور دوسروں کے حقوق بھی ادا کرے۔

18- زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کی جو رسم جاری تھی اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ لوگ سمجھتے تھے کہ عورت کوئی کماؤ فرد تو ہے نہیں۔ یہ تو ہمارے رزق میں حصہ بٹائے گی۔ جرم کے اس محرک پر ضرب لگائی اور فرمایا کہ اصل رازق خدا ہی ہے۔ وہ جس جان کو پیدا کرتا ہے اس کے رزق کا بھی ذمہ دار ہے۔

19- یعنی ان تمام باتوں سے بھی دور دور رہو جو زنا کی محرک' اس پر اکسانے والی اور اس کے قریب لے جانے والی ہوں۔

20- 'حق پر' سے مراد ہے 'قانونی جواز کے ساتھ' مثلاً قصاص میں۔

21- اختیار دینے کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی حکومت اولیائے مقتول کی مرضی نافذ کرائے گی۔ وہ چاہیں تو قاتل سے قصاص لیں' چاہیں تو خون بہا لیں اور چاہیں تو معاف کر دیں۔

22- یتیم کے مال میں اولیاء کی صرف وہی مداخلت جائز ہے جو اس کی ترقی' اس کی حفاظت اور اس کے نشوونما کو پیش نظر رکھ کر کی گئی ہو۔

23- ایک صالح معاشرہ کی بنیاد حسن ظن اور اعتماد پر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کوئی ایسی بات زبان سے نکالنا ناجائز ہے جو محض گمان یا افواہ پر مبنی ہو اور وہ کسی کی عزت و شہرت کو نقصان پہنچانے والی ہو۔

24- یعنی مغروروں کی چال نہ چلو۔ اپنی حیثیت پہچانو اور خدا کی عظمت اور اس کے جلال کے آگے ہمیشہ سر افگندہ رہو۔

25- یہ باتیں حکمت میں سے ہیں یعنی یہ ٹھوس' راسخ اور غیر متزلزل حقیقتیں ہیں جو عقل' فطرت اور شریعت میں نہایت مضبوط بنیادیں رکھتی ہیں۔ اپنی زندگی ان سے سنوارو۔

26- ان احکام کا آغاز توحید کے مضمون سے ہوا تھا' اب اختتام بھی اسی پر ہوا ہے۔ گویا توحید ان ساری

تعلیمات کے لئے حصار اور شہر پناہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر اس شہر پناہ میں کوئی رخنہ پیدا ہو گیا تو حکمت کی یہ ساری باتیں بھی ایک ایک کر کے ناپید ہو جائیں گی۔

27- یعنی اول تو کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا ہی حماقت ہے۔ پھر ستم بالائے ستم تم نے یہ کیا ہے کہ خدا کے لئے بیٹیاں منتخب کی ہیں جن کو خود اپنے لئے سخت ناپسند کرتے ہو۔ یہ نہایت ہی بھونڈی حرکت ہے۔

28- مطلب یہ ہے کہ ایک خاص دائرہ کے اندر خدا نے تم کو اختیار بخشا ہے۔ اس سے غلط فائدہ اٹھا کر جو حتیں چاہو خدا پر جوڑو لیکن ساتوں آسمان اور زمین اور ان کے اندر جتنی مخلوقات ہیں سب خدا کی تسبیح کرتی ہیں لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ لہٰذا خدا کو تمہاری کوئی پروا نہیں۔

29- جو لوگ نہ آخرت کو مانتے ہیں اور نہ آخرت کو ماننا چاہتے ہیں' یہ چیز ان کے دلوں پر ایک مخفی حجاب بن کر چھا جاتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ قرآن کے انوار ان کے دلوں پر منعکس نہیں ہو پاتے۔

30- یعنی ہڈیاں اور ریزے ریزے ہو جانا تو درکنار' اگر تم پتھر یا لوہا بھی بن جاؤ یا ان سے بھی کوئی سخت تر چیز جو تمہارے خیال میں زندگی قبول کرنے کی صلاحیت سے بالکل خالی ہو' جب بھی تم از سر نو اٹھائے جاؤ گے۔

31- جہاں تک قیامت کے وقت کا تعلق ہے اس کا پتہ تو اللہ کے سوا کسی کو بھی نہیں ہے لیکن جو چیز شدنی ہے وہ بہرحال دیر سویر ہو کے رہے گی۔ اس کو محض اس بنیاد پر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا ٹھیک ٹھیک وقت ہمارے علم میں نہیں ہے۔ وقت تو آدمی کو اپنی موت کا بھی معلوم نہیں لیکن احمق ہو گا جو وقت معلوم نہ ہونے کے باعث اس کا انکار کر دے۔

32- یہ مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ وہ مخالفین کی بے ہودہ باتوں کا جواب نہ دیں۔ شیطان تو چاہتا ہے کہ وہ وسوسہ اندازی کر کے تمہاری زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکلوا دے جو ان کے بدکے ہوئے لوگوں کے لئے مزید وحشت کا سبب بن جائے۔

33- مباحثہ کی گرما گرمی میں جو چیز فتنہ کا باعث بنتی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی جس کسی کو اپنا لیڈر اور مقتدا مانتا ہے ساری فضیلت بس اسی کے ساتھ باندھ کے رکھ دیتا ہے۔ کسی دوسرے کے لئے فضیلت تسلیم کرنے میں وہ اپنی شکست محسوس کرتا ہے۔ اس زمانہ میں یہود کو اس فتنہ سے خاص دلچسپی تھی' اس لئے یہاں مسلمانوں کو نبیوں کے باب میں صحیح نقطہ نظر اپنانے کی ہدایت فرمائی ہے۔

34- یعنی فرشتے جن کو یہ خدا کا شریک بنائے بیٹھے ہیں' ہر وقت خدا کے قرب کی طلب میں سرگرم ہیں۔ وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

35- بستی سے مراد وہ مرکزی بستی ہے جو کسی قوم کے لیڈروں اور امراء و مترفین کا مرکز ہوتی ہے۔ رسول کی بعثت کے دور میں رسول کی تکذیب کی صورت میں بستی کی ہلاکت کا خطرہ سنگین ہو جاتا ہے۔

36- یعنی تنبیہ کے طور پر نشانیاں تو موجود ہوتی ہیں لیکن وہ مکذبین کو قائل نہیں کر سکتیں۔ وہ اگر قائل ہوتے ہیں تو اصل عذاب کو دیکھ کر قائل ہوتے ہیں۔

37- یہ ان مواقع کا بیان ہے جب قریش نے تنبیہات سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ مثلاً رعد 41 میں اطراف مکہ میں اسلام کے پھیلنے کی خبر دی گئی تھی' معراج کی رویا میں مسجد حرام کی تولیت نبی ﷺ کے حوالہ کرنے کی خبر تھی' دوزخ کے احوال میں جہنم کے پیندے میں اگنے والے درخت زقوم کا حوالہ دیا گیا تھا جو وہاں جہنمیوں کی خوراک بنے گا۔ قریش نے ان سب کا مذاق اڑایا لیکن ان سے کوئی سبق حاصل نہ کیا۔

امین احسن اصلاحی

تعلیم کا حکیمانہ انداز

(صحیح بخاری کی کتاب العلم کی روایات)

باب 89- قول اللہ تعالیٰ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا

اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ تم کو تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے۔

125- حدثنا قیس بن حفص قال ثنا عبد الواحد قال ثنا الاعمش سلیمان بن مہران عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ قال بینا انا امشی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی خرب المدینہ وھو یتوکا علی عسیب معہ فمر بنفر من الیھود فقال بعضھم لبعض سلوہ عن الروح فقال بعضھم لا تسئلوہ لا یجئ فیہ بشئ تکرھونہ فقال بعضھم نسئالنہ فقال رجل منھم فقال یا ابالقاسم ما الروح فسکت فقلت انہ یوحی الیہ فقمت فلما انجلی عنہ فقال یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتوا من العلم الا قلیلا قال الاعمش ھی کذا فی قرائتنا وما اوتوا۔

ترجمہ:- عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے ویرانوں میں چل رہا تھا اور آپ کھجور کی ایک چھڑی پر ٹیک لگائے چل رہے تھے کہ یہود کے ایک گروہ پر سے گزر ہوا۔ بعض یہودیوں نے دوسروں سے کہا کہ ان سے روح کے متعلق سوال کرو۔ دوسروں نے کہا یہ نہ پوچھو' کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی ایسی بات میں جواب دیں جو تمہیں بری لگے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں ہم ضرور پوچھیں گے۔ ایک شخص نے کہا اے ابو القاسم روح کیا چیز ہے۔ اس پر آپ' خاموش ہو گئے تو میں نے دل میں کہا کہ وحی آ رہی ہے۔ میں کھڑا ہو گیا۔ جب وہ کیفیت دور ہوئی تو آپ نے یہ آیت سنائی۔ یسئلونک عن الروح' قل الروح من امر ربی وما اوتوا من العلم الا قلیلا۔ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں' کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے' اور ان لوگوں کو علم دیا گیا ہے مگر تھوڑا"۔ اعمش کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں قرات اسی طرح "وما اوتوا" کی ہے۔

وضاحت:- یہاں جس آیت کا حوالہ ہے وہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت 85 ہے۔

آیت کے الفاظ یہ ہیں:

ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا

(اور وہ تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم میں سے ہے اور تمہیں تو بس تھوڑا ہی سا علم عطا ہوا ہے)

روح سے مراد وحی الٰہی ہے۔ کفار نبی ﷺ پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ روح کیا بلا ہے جس کے نازل ہونے کا دعویٰ تم کرتے ہو۔ یہ ہمارے اوپر کیوں نہیں اترتی۔ اس کی حقیقت تو ہمیں سمجھاؤ۔ جواب میں فرمایا کہ ان کو بتاؤ کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے۔ تم کائنات اور اس کے خالق کے سارے بھید سمجھ نہیں سکتے۔ امور الٰہیہ کی اصل حقیقت خدا ہی جانتا ہے۔

متن قرآن میں اس آیت کا سیاق و سباق بالکل واضح ہے اور کسی شان نزول کا محتاج نہیں۔ اس روایت میں جو شان نزول بیان ہوا ہے وہ کسی طرح صحیح نہیں۔ سورہ بنی اسرائیل مکی دور کی سورہ ہے جبکہ روایت میں آیت کا تعلق مدینہ سے جوڑ دیا گیا ہے۔ پھر اس میں آیت کے الفاظ تبدیل کر دیئے گئے ہیں اور ایک راوی اصرار کرتے ہیں کہ ہماری قرات میں الفاظ "وما اوتیتم" کے بجائے "وما اوتوا" استعمال ہوئے ہیں۔ میرے نزدیک متواتر قرات امام حفصؒ کی ہے جس کے مطابق تمام قرآن مجید لکھے جاتے ہیں۔ اس میں "وما اوتیتم" کے الفاظ آئے ہیں۔ میرے نزدیک قرات متواتر کے ہوتے ہوئے کسی دوسری قراءت پر قرآن پڑھنا جائز نہیں۔ ویسے بھی جن قراءتوں کے الفاظ باقی رہ گئے ہیں ان میں "وما اوتوا" کے الفاظ نہیں آئے۔

محدثین کے سردار امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ مغازی' ملاحم اور شان نزول کی روایات میں ہم نے تحقیق نہیں کی۔ یہ روایت بھی شان نزول کی ہے۔ اس لئے اس کو امام احمد بن حنبلؒ کے قول کی روشنی ہی میں سمجھئے۔ البتہ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ایسی بے سروپا روایت امام بخاری نے اپنی صحیح میں کیوں لے لی

باب 90- من ترک بعض الاختیار مخافه ان یقصر فهم بعض الناس فیقعوا فی اشد منه

ترجمہ :- کسی بات کا چھوڑ دینا اس ڈر سے کہ کچھ لوگ ناسمجھی میں اس کے باعث کسی بڑے گناہ میں نہ پڑ جائیں۔

وضاحت :- ہر بات ہر مجمع میں بیان کرنے کی نہیں ہوتی۔ یہ احمقوں کا طریقہ ہے کہ کہیں سے کچھ سن پاتے ہیں تو اپنی ثقاہت کی دھونس جمانے کے لئے وہ مسئلہ اپنے حواریوں میں بیان کر دیتے ہیں۔ ایک عاقل آدمی کوئی ایسا مسئلہ جو عوام کی ذہنی سطح سے بلند ہو ان کے سامنے کبھی بیان نہیں کرتا' وہ اسے

صرف عاقلوں کی مجلس میں ہی بیان کرتا ہے۔ باب کا منشا یہ ہے کہ ایک چیز کو اختیار کرنے سے اس لئے گریز کیا جائے کہ کہیں دوسروں کی فہم اس کے سمجھنے سے قاصر رہ جائے تو وہ اس کے باعث کسی بڑی برائی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ یہ بڑی حکیمانہ بات ہے۔

126- حدثنا عبید الله بن موسیٰ عن اسرائیل عن ابی اسحاق عن الاسود قال قال لی ابن الزبیر کانت عائشه تسر الیک کثیرا فما حدثتک فی الکعبه قلت قالت لی قال النبی ﷺ یا عائشه لولا ان قومک حدیث عهدهم قال ابن الزبیر بکفر لنقضت الکعبه فجعلت لها بابین بابا یدخل الناس و بابا یخرجون منه ففعله ابن الزبیر۔

ترجمہ :- اسود کہتے ہیں کہ مجھ سے ابن زبیر نے پوچھا کہ حضرت عائشہؓ تم سے بہت سی باتیں سرگوشی میں کرتی رہی ہیں تو کعبہ کے بارے میں آپ سے کیا بات کی۔ میں نے ان کو بتایا کہ حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے یہ فرمایا کہ اے عائشہ اگر تمہاری قوم کفر سے نئی نئی نہ نکلی ہوتی تو میں کعبہ کی دیوار کو توڑ کر اس میں دو دروازے بناتا' ایک داخل ہونے کے لئے اور دوسرا باہر نکلنے کے لئے۔ ابن زبیر نے اس پر عمل کیا۔

وضاحت :- حضرت عبداللہ بن زبیر کو کچھ عرصے کے لئے مکہ مکرمہ میں اقتدار مل گیا تھا۔ انہوں نے اس زمانے میں حضرت عائشہؓ کی اس روایت کے مطابق خانہ کعبہ کے دو دروازے بنا دیئے اور حطیم کو بھی خانہ کعبہ میں شامل کر دیا۔ ان کی حکومت ختم ہونے کے بعد خانہ کعبہ کو سابقہ حالت میں تعمیر کر دیا گیا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایسا نہیں کیا تھا۔ حضورؐ نے ایسا نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ابھی لوگ نومسلم اور خانہ کعبہ کے معاملے میں بہت حساس ہیں۔ اگر میں نے کچھ کیا تو کفار یہ پروپیگنڈا شروع کر دیں گے کہ دیکھو انہوں نے ابھی سے اللہ کے گھر پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ آپ ﷺ نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ بیت اللہ کی تعمیر کے مسئلہ کو نہ چھیڑا جائے۔

اس سے یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اگر کسی حساس معاملہ پر عمل کرنا پسندیدہ بھی ہو تو اس کو اس اندیشے کی بنا پر ملتوی رکھنا چاہئے کہ لوگ اس سے فتنہ میں پڑ سکتے ہیں۔ ایسا کرنا دین کی مصلحت کے لئے بہتر ہے۔

اس روایت کا سبق یہ نہیں ہے کہ دین کے ضروری کاموں کو عوام الناس کے رد عمل کے ڈر سے ملتوی کر دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے شرک کے مظاہر کو ختم کرنے میں کسی رد عمل کی پروا نہیں کی اور فتح مکہ کے فوراً" بعد تمام بت تڑوا دیئے۔ روایت سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہر بات اور کام کے کرنے کا مناسب وقت ہوتا ہے۔ بات اس وقت کہی جائے جب لوگ غلط فہمی میں نہ پڑیں۔ عاقلوں اور ذمہ دار لوگوں سے کہی جائے' جاہلوں اور غیر ذمہ داروں سے نہ کہی جائے۔

باب 91- من خص بالعلم قوما" دون قوم کراھیہ ان لا یفھموا وقال علی رضی اللہ عنہ حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ

ترجمہ :- ایسے شخص کے بارے میں جو علم کی باتیں عام لوگوں کو چھوڑ کر بعض خاص لوگوں ہی سے بیان کرے' اس اندیشے سے کہ وہ ان کو سمجھ نہیں پائیں گے- حضرت علیؓ نے فرمایا کہ لوگوں سے ان کی عقل کے اندر بات کرو- کیا تم لوگ یہ پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے-

وضاحت :- یہ بڑی پر حکمت بات ہے- بزم میں اہل نظر بھی ہوتے ہیں اور تماشائی بھی- ہر بات مجمع عام میں نہیں کی جاسکتی بلکہ دیکھنا پڑتا ہے کہ اس کے سمجھنے کے اہل کون ہیں- اس پر کتمان کا اطلاق نہیں ہوگا بلکہ یہ حکمت تعلیم کا تقاضا ہے کہ سامعین کو دیکھ کر بات کرنی چاہئے کہ وہ لوگ بات کو سمجھ سکیں گے یا نہیں- اسی طرح زمانے کو بھی دیکھنا پڑتا ہے اور اس پر حضرت ابو ہریرہ کی علم کے دو مشکوں والی روایت دلیل ہے جو اوپر گزر چکی ہے-

امام بخاریؒ نے عنوان باب کے اثبات میں حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ لوگوں کے علم کی حد تک ان سے بات کرو- ایسا نہ ہو کہ بات ان کے ذہن کی گرفت میں نہ آئے اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب محض اپنی نا سمجھی کی وجہ سے کرنے لگ جائیں-

127- حدثنا بہ عبید اللہ بن موسیٰ عن معروف عن ابی الطفیل عن علی رضی اللہ عنہ۔

وضاحت :- امام صاحب نے باب میں مذکور حضرت علیؓ کے قول کی یہ سند بیان کی ہے-

128- حدثنا اسحاق بن ابراہیم قال انا معاذ بن ھشام قال حدثنی ابی عن قتادۃ قال ثنا انس بن مالک ان النبی ﷺ و معاذ ردیفہ علی الرحل قال یا معاذ بن جبل قال لبیک یا رسول اللہ وسعدیک قال یا معاذ قال لبیک یا رسول اللہ وسعدیک قال یا معاذ قال لبیک یا رسول اللہ و سعدیک ثلثا قال ما من احد یشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا" رسول اللہ صدقا من قلبہ الا حرمہ اللہ علی النار قال یا رسول اللہ افلا اخبر بہ الناس فیستبشرون قال اذا یتکلوا واخبر بھا عند موتہ تاثما-

ترجمہ :- انس بن مالکؓ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ اور آپ کے پیچھے معاذ بن جبلؓ ایک ہی سواری

پر سوار تھے- آپؐ نے آواز دی اے معاذ بن جبل- انہوں نے کہا' یا رسول اللہ میں حاضر ہوں- آپؐ نے پھر فرمایا اے معاذ انہوں نے پھر کہا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں- راوی کہتے ہیں کہ حضورؐ نے تین مرتبہ آواز دی- پھر آپ نے فرمایا کہ جو شخص صدق دل سے یہ شہادت دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اس کے اوپر اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ حرام کر دے گا- تب معاذؓ نے کہا یا رسول اللہ کیا مجھے یہ اجازت ہے کہ میں یہ بات دوسروں کو بتاؤں تاکہ وہ بشارت حاصل کریں- آپؐ نے فرمایا نہیں' لوگ غلط اعتماد کر بیٹھیں گے- معاذؓ نے اپنی وفات کے قریب کتمان علم کے گناہ سے بچنے کے لئے یہ بات بیان کر دی-

وضاحت :- صدق دل کے ساتھ جب آپ توحید اور رسالت کا اقرار کریں گے تو اس اقرار کے جو لوازم' مقتضیات اور مطالبے ہیں' ان کو نہیں چھوڑ سکتے- جو شخص یہ مطالبے پورے کرے گا تو وہ ایمان کے بعد عمل صالح کرنے والا بھی بن جائے گا اور قرآن میں بیسیوں مقامات پر ایمان اور عمل صالح پر جنت کی بشارت ہے- ایسا شخص لازما" دوزخ کی آگ سے بچا لیا جائے گا- مجمل طریقے پر توحید کے تقاضے خدا کی ذات میں اور خدا کی صفات میں کسی کو شریک نہ کرنا اور اس کے تمام احکام کو بلا چون و چرا بجا لانا ہے- توحید صرف یہی نہیں کہ خدا کو ایک مان لیا اور بس- اس زمانے کی سب سے بڑی غلط فہمی یہی ہے کہ نجات کے لئے محض توحید و رسالت کی شہادت کو کافی سمجھ لیا گیا ہے- لیکن یہ اس حدیث کے بالکل خلاف ہے- ایک تو دین کی جزئیات اور تفصیلات ہوتی ہیں اور ایک دین کا لب لباب ہوتا ہے- دین کا لب لباب یہ ہے کہ بندہ اللہ کی توحید اور رسول کی رسالت کو صدق دل سے مان لے- دین کا پھیلاؤ انہی دو بنیادوں سے ہے- اس پھیلاؤ میں اگر آپ کوتاہی کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے صدق دل سے نہیں مانا' اگر مانا ہے تو آپ میں جہالت ہے- وہ جہالت آپ کو دور کرنا ہوگی-

آنحضرت ﷺ نے اصل حکمت معاذ بن جبلؓ کو بتا دی تو وہ اچھل پڑے اور کہا کہ لوگوں کو یہ خوشخبری سنا دوں- آپؐ نے فرمایا کہ نہیں لوگ اسی پر اعتماد کر بیٹھیں گے اور عامی آدمی عمل سے غافل ہو جائیں گے- نبی ﷺ نے یہ نکتے کی بات بتائی- اس بات کا ثبوت آج بھی آپ عامیوں میں دیکھ سکتے ہیں- کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ دین کی شہادت دینے کے بعد نماز نہ پڑھیں- کیا یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ زکوۃ نہ دیں' حج نہ کریں' اور جب وقت آئے جہاد نہ کریں- یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ سب دین کے مطالبے ہیں- اس کے باوجود عوام الناس ان اعمال کی طرف توجہ نہیں دیتے اور شہادت پر نجات کو منحصر سمجھتے ہیں- اس زمانے کے پڑھے لکھے جنات تک اس بات کو نہیں سمجھ رہے ہیں- اس لئے کہ انہوں نے اس چیز کو ہاتھ ہی نہیں لگایا جو سمجھنے کی تھی- واقعہ یہ ہے کہ اگر آپ صحیح طریقے پر طہارت نہیں کریں گے تب بھی خدا کے ہاں پکڑے جائیں گے حالانکہ اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں- کیوں؟ اس لئے کہ وہ بھی دین کا تقاضا ہے- ایک حکیم جانتا ہے کہ اس حقیر چیز کا تعلق دین کے کس حصے سے ہے-

یہ حدیث بہت قیمتی ہے اور خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ امام صاحب نے باب بھی اچھا باندھا ہے۔ آنحضرتؐ نے معاذؓ کو تین مرتبہ پکارا تو یہ خاص کیفیت کا اظہار ہے۔ دین کی ایک عظیم حکمت کو بتانے سے پہلے آپ نے معاذؓ کو ہمہ تن گوش کرنا ضروری سمجھا۔

باقی رہ گئی یہ بات کہ معاذ بن جبلؓ نے یہ بات اپنی موت کے قریب کتمان علم کے گناہ سے بچنے کے لئے بتائی تو یہ راوی کا اپنا تاثر ہے۔ معاذؓ نے آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق اس کا عام چرچا نہ کیا لیکن اہل علم میں وہ اس کو بیان کرتے رہے ہوں گے۔ اتنی بڑی بات آخر معاذ بن جبلؓ کیسے راز رکھ سکتے تھے۔ ان سے بھی بڑے دوسرے صحابہ تھے جن سے یہ اندیشہ نہ تھا کہ وہ اس بات پر عمل میں سست پڑجائیں گے۔ ایسے لوگوں کو انہوں نے یہ بات بتا دی ہوگی۔ راوی کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے یہ قیاس کیا کہ شاید مجھی کو یہ بات بتائی گئی ہے۔ میرے نزدیک ان کا یہ قیاس درست نہیں۔

129- حدثنا مسدد قال حدثنا معتمر قال سمعت ابی قال سمعت انسا قال ذکرلی ان النبی ﷺ قال لمعاذ من لقی اللہ لا یشرک بہ شیئا" دخل الجنہ قال الا ابشربہ الناس قال لا انی اخاف ان یتکلوا۔

ترجمہ :- معتمر کے والد کہتے ہیں کہ میں نے انسؓ سے سنا وہ بتاتے تھے کہ میرے پاس یہ بات بیان کی گئی کہ نبی ﷺ نے معاذؓ سے کہا کہ جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا اس حالت میں کہ اس نے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھرایا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس پر معاذؓ نے پوچھا کہ کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اسی پر اعتماد کر بیٹھیں گے۔

وضاحت :- اس روایت کے اصل راوی بھی انسؓ ہی ہیں جن کی روایت اوپر بیان ہوئی ہے۔ یہاں کسی راوی صاحب نے اپنی طرف سے اور کمی کر دی ہے جس کی وجہ سے یہ روایت اور بھی خطرناک ہو گئی ہے۔ اس میں آنحضرتؐ کی رسالت کا ذکر ہی نہیں۔ یہ راوی صاحب کی غلطی ہے کہ انہوں نے روایت کا ایک اہم ٹکڑا چھوڑ دیا ہے۔ اس سے یہ اصول نکلتا ہے کہ کسی نامکمل روایت کو اس قسم کی دوسری روایات کے ساتھ ملا کر ہی اس کی تاویل کرنی چاہئے۔ دوسری روایات کو ملانے کے بعد جو مضمون متعین ہوگا وہ اصل ہوگا۔ مزید روایات کی اس جستجو میں ہو سکتا ہے کہ جو روایت ملے سند کے اعتبار سے اس کا وہ درجہ نہ ہو جس درجے کی روایت امام بخاری یا امام مسلم لیتے ہیں لیکن اس کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ یہ واقعہ ہے کہ کتنی روایات ہیں جو بخاری اور مسلم کے معیار پر تو پوری نہیں اترتیں لیکن مفہوم اس طرح سے واضح کرتی ہیں کہ قرآن مجید کے مطابق ہو جاتا ہے۔ میری رائے میں اس صورت میں سند کے معیار کو دیکھے بغیر روایت سے مدد لے لینی چاہئے۔ یہاں اس سے مفصل روایت اوپر موجود ہے، اس کو اصل ماننا چاہئے۔

باب 92- الحیاء فی العلم و قال مجاہد لا یتعلم العلم

مستحی ولا مستکبر وقالت عائشہ نعم النساء الانصار لم یمنعھن الحیاء ان یتفقھن فی الدین

ترجمہ :- علم حاصل کرنے کے بارے میں حیا کرنا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ شرمیلا آدمی علم حاصل کر سکتا ہے نہ متکبر۔ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ بہترین عورتیں انصار کی ہیں جو دین کے سمجھنے کے لئے حیا کو دخل انداز نہیں ہونے دیتیں۔

وضاحت :- یہ باب اس بارے میں ہے کہ علم حاصل کرنے کے معاملے میں حیا کرنے کا کیا حکم ہے۔ پھر اس پر دو قول نقل کئے ہیں ایک مجاہد کا اور دوسرا حضرت عائشہؓ کا۔ یہ دونوں تعلیقات موصول کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔

130- حدثنا محمد بن سلام قال اخبرنا ابو معاویہ قال حدثنا ہشام عن ابیہ عن زینب بنت ام سلمہ عن ام سلمہ قالت جاءت ام سلیم الی رسول ﷺ فقالت یا رسول اللہ ﷺ ان اللہ لا یستحی من الحق فھل علی المراۃ من غسل اذا احتلمت فقال النبی ﷺ اذا رات الماء فغطت ام سلمہ تعنی وجھھا و قالت یا رسول اللہ و تحتلم المراۃ قال نعم تربت یمینک فبم یشبھھما ولدھا

ترجمہ :- حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ام سلیم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔ اس لئے میں پوچھتی ہوں کہ اگر عورت کو احتلام ہو تو اس صورت میں کیا غسل فرض ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں اگر وہ رطوبت کا احساس کرے۔ اس پر حضرت ام سلمہ نے شرم سے اپنا منہ ڈھانک لیا اور کہا یا رسول اللہ کیا عورت کو بھی یہ حالت لاحق ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں خدا کی بندی اگر یہ بات نہ ہو تو اس کی اولاد میں ماں باپ کی مشابہت کیوں ہوتی ہے۔

وضاحت :- یہ روایت اپنے مفہوم میں واضح ہے لیکن ہمارے شارحین نے غلط فہمی کی وجہ سے ایک غلط نتیجہ نکال لیا ہے۔ وہ اس طرح کہ چونکہ حضرت ام سلمہؓ نہ جھوٹ بات کہہ سکتیں اور نہ بات کی بناوٹ کر سکتیں تو آخر انہوں نے یہ سوال کیوں کیا کہ کیا عورت کو بھی یہ حالت لاحق ہوتی ہے۔ اس سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ حالت لاحق نہیں ہوتی ہوگی۔ پھر اس سے ایک اصول بنالیا کہ ہر عورت کو یہ حالت لاحق ہونا ضروری نہیں ہے۔ بہت سی عورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو یہ حالت پیش نہیں آتی۔ میرے نزدیک انہوں نے روایت کو نہیں سمجھا۔ ایک تو یہ حالت غیر معمولی نہیں بلکہ بالکل

فطری حالت ہے اور ہر عورت اور ہر مرد کو پیش آتی ہے بشرطیکہ وہ صحتمند ہوں۔ اگر یہ حالت پیش نہ آئے تو اس کی علت صحت کی کمزوری ہے۔ دوسرے یہ کہ جب حضرت ام سلمہؓ کے سامنے یہ بات آئی تو انہوں نے نہایت مہذب طریقے سے آنحضرتؐ سے یہ سوال کردیا کہ اگر کسی عورت کو یہ حالت پیش آجائے تو کیا یہ کوئی غیر معمولی حالت تو نہیں یا تقویٰ اور دینداری کے خلاف تو نہیں۔ سوال سے یہی بات نکلتی ہے۔ آنحضرتؐ نے نہایت پیار کے ساتھ بات سمجھادی کہ خدا کی بندی تو کیا سوال کرتی ہے۔ عورت اور مرد کے اندر اللہ تعالیٰ نے جوہر رکھا تو دونوں کے اشتراک سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اور اولاد یا تو ماں پر جاتی ہے یا والد پر یا دونوں پر۔ کتنے بچے ہیں جو رنگ تو ماں کا لیتے ہیں اور شکل و صورت باپ کی۔ کتنے بچے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے خاص خاص اعضا کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ باپ یا ماں پر گیا ہے۔ لہٰذا احتلام ہونا ایک فطری حالت ہے اور تقویٰ اور حیا کے منافی نہیں۔

تربت یمینک کے لفظی معنی تو اچھے نہیں کہ تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو۔ لیکن اس کا موقع استعمال بہت پیار کا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ خدا کی بندی' میری پیاری جان' کیا بات کرتی ہو۔

131- حدثنا اسماعیل قال حدثنی مالک عن عبداللہ بن دینار عن عبداللہ بن عمران رسول اللہ ﷺ قال ان من الشجر شجرۃ لا یسقط ورقھا وھی مثل المسلم حدثونی ماھي؟ فوقع الناس فی شجر البادیہ ووقع فی نفسی انھا النخلہ۔ قال عبداللہ فاستحییت قالوا یا رسول اللہ اخبرنا بھا فقال رسول اللہ ﷺ ھی النخلہ' قال عبداللہ فحدثت ابی بما وقع فی نفسی فقال لان تکون قلتھا احب الی من ان یکون لی کذا و کذا۔

ترجمہ :- عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ مسلمان کی مانند ہے۔ بتاؤ وہ کونسا درخت ہے۔ یہ سن کر لوگوں کا خیال جنگل کے درختوں کی طرف گیا لیکن میرے دل میں خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے شرم آئی۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ آپ ہی بتایئے وہ کون سا درخت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ (حضرت عمرؓ) کو یہ بات بتائی جو میرے دل میں آئی تھی تو انہوں نے کہا کہ اگر تم یہ بات کہہ دیتے تو میرے لئے یہ بڑی دولت ہوتی۔

وضاحت :- یہ روایت باب 47 کے تحت گزر چکی ہے۔ وہاں پر حضرت عبداللہؓ کا اپنے والد گرامی سے واقعہ کا تذکرہ کرنے کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی حضرت عمرؓ کے قول کا۔ حضرت عمرؓ کے اس قول کا کہ اگر تم دل میں آئی بات کہہ دیتے تو میرے لئے بڑی دولت ہوتی' باب سے تعلق یہ ہے کہ حیا بعض موقعوں پر

بڑی دولت سے محروم کردیتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی حیا کا اہتمام کریں۔ اس میں بڑی برکت ہے۔

باب 93- من استحییٰ فامر غیرہ بالسوال

جو خود شرما جائے تو دوسرے سے کہہ دے کہ تم پوچھ دو

132- حدثنا مسدد قال حدثنا عبداللہ بن داؤد عن الاعمش عن منذر الثوری عن محمد بن حنفیہ عن علی رضی اللہ عنہ قال کنت رجلا مذاء فامرت المقداد ان یسال النبی ﷺ فقال فیہ الوضوء۔

ترجمہ :- حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ مجھے غیر معمولی مذی کی شکایت تھی۔ میں نے مقداد سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ دیں۔ انہوں نے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر کسی کو یہ حالت پیش آئے تو اس پر وضو کافی ہے۔

وضاحت :- مذی آنے کی صورت میں صرف وضو ہی کافی ہے' غسل کی ضرورت نہیں' غسل صرف انہی باتوں پر ہے جو کتاب الغسل میں بیان ہوئی ہیں۔ قرآن مجید میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔

باب 94- ذکر العلم و الفتیا فی المسجد

مسجد میں علم کی باتیں کرنا اور فتویٰ دینا

وضاحت :- امام صاحب ہر چیز کو نکتہ بنانے کے عادی ہیں۔ ورنہ کس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم دین اور فتویٰ کے لئے مسجد موزوں مقام ہے یا نہیں۔ مسجد ہی تو مسلمانوں کے دین کا مرکز ہے۔

133- حدثنا قتیبہ بن سعید قال حدثنا اللیث بن سعد قال حدثنا نافع مولی عبداللہ بن عمر بن الخطاب عن عبداللہ بن عمر ان رجلا قام في المسجد فقال یا رسول اللہ من این تامرنا ان نھل فقال رسول اللہ ﷺ یھل اھل المدینہ من ذی الحلیفہ ویھل اھل الشام من الجحفہ ویھل اھل نجد من قرن قال ابن عمر ویزعمون ان رسول ﷺ قال و یھل اھل الیمن من یلملم وکان ابن عمر یقول لم افقہ ھذہ من رسول اللہ ﷺ

ترجمہ :- عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ ایک شخص مسجد نبوی میں کھڑا ہوا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ آپ کا حکم کیا ہے' ہم احرام کہاں سے باندھیں اور تلبیہ کہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینے کے لوگ ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں اور تلبیہ کہیں' اہل شام جحفہ سے' اہل نجد قرن سے اور لوگوں کا خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اہل یمن یلملم سے احرام باندھیں۔

ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا ہے۔

وضاحت:۔ دیکھئے روایت کتنی اہم ہے اور باب کیا باندھا ہے۔ روایت یہ ہے کہ حج کے لئے جو لوگ دنیا کے مختلف حصوں سے مکہ جائیں تو کس مقام سے ان کو احرام باندھنا اور تلبیہ شروع کرنا ہو گا۔ تلبیہ سے مراد لبیک اللھم لبیک کا ذکر ہے۔ سائل کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف سمتوں کی میقاتوں کو بیان کر دیا۔ ذوالحلیفہ، جحفہ، قرن اور یلملم مکہ کی مختلف اطراف میں واقع مقامات کے نام ہیں۔ حجاج وہاں پہنچ کر حالت احرام میں آ جاتے ہیں اور ان پر احرام کی پابندیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ پاکستان اور بھارت کے حجاج کے لئے میقات یلملم ہے۔

باب 95- من اجاب السائل باکثر مما سال

ترجمہ: پوچھنے والے نے جتنا پوچھا اس سے زیادہ جواب دینا۔

134- حدثنا ادم قال حدثنا ابن ابی ذئب عن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ ح و عن الزہری عن سالم عن ابن عمر عن النبی ﷺ ان رجلا سالہ مایلبس المحرم فقال لایلبس القمیص ولا العمامہ ولا السراویل ولا البرنس ولا ثوبا مسہ الورس اوالزعفران فان لم یجد النعلین فلیلبس الخفین ولیقطعھما حتی یکونا تحت الکعبین۔

ترجمہ:۔ عبداللہ بن عمر نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ محرم حالت احرام میں کیا لباس پہنے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ نہ قمیض پہنے نہ عمامہ، نہ شلوار نہ ٹوپی یا برقعہ اور نہ کوئی ایسا کپڑا جس میں ورس یا زعفران لگی ہو۔ اس کے پاس جوتا نہ ہو تو موزے پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ دے۔

وضاحت:۔ محرم کے لباس سے متعلق یہ حکم ہے کہ وہ سلا ہوا یا رنگدار نہ ہو۔ اسی بات کو نبی ﷺ نے وضاحت سے بتایا اور سلے ہوئے کپڑوں۔ قمیض، شلوار (یا پاجامہ اور پینٹ) اور رنگین کپڑوں کے استعمال کی ممانعت کر دی۔ مردوں کا سر کھلا ہونا چاہئے۔ اس بات کو بیان کرتے ہوئے آپ نے پگڑی، ٹوپی کی قسم کی چیز پہننے سے روک دیا۔ جوتے کے متعلق یہ ہدایت دی کہ وہ ٹخنوں سے نیچے ہونا چاہئے۔

امام صاحب کی رائے میں آنحضرت ﷺ نے یہ جواب سائل کے سوال کی ضرورت سے زیادہ دیا ہے حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ آپ نے بات منفی پہلو سے بیان فرمائی ہے اور ممنوعات بتادی ہیں۔ یہ سوال کا نہایت حکیمانہ جواب ہے۔

(ترتیب: سعید احمد)

امین احسن اصلاحی

چوری اور شراب خوری کی سزائیں

(موطا کی کتاب الحدود اور کتاب الاشربہ کی روایات)

باب جامع القطع

ہاتھ کاٹنے سے متعلق جامع باب

حدثنی یحیٰی عن مالک عن عبدالرحمٰن بن القاسم عن ابیہ ان رجلا من اھل الیمن اقطع الید والرجل قدم فنزل علی ابی بکر الصدیق فشکا الیہ ان عامل الیمن قد ظلمہ فکان یصلی من اللیل فیقول ابوبکر وابیک مالیلک بلیل سارق، ثم انھم فقد واعقدا لاسماء بنت عمیس امراہ ابی بکر الصدیق فجعل الرجل یطوف معھم و یقول اللھم علیک بمن بیت اھل ھذا البیت الصالح فوجدوا الحلی عند صائغ زعم ان الا قطع جاءہ بہ فاعترف بہ الاقطع اوشھد علیہ بہ فامربہ ابوبکر الصدیق فقطعت یدہ الیسریٰ، و قال ابوبکر واللہ لدعاؤہ علی نفسہ اشد عندی علیہ من سرقتہ۔

ترجمہ:۔ عبدالرحمان اپنے باپ قاسم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اہل یمن میں سے آیا۔ اس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹا گیا تھا۔ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مہمان بنا اور ان سے شکایت کی کہ آپ کے یمن کے گورنر نے میرے اوپر بڑا ظلم کیا ہے۔ یہ شخص رات کو تہجد پڑھتا تھا۔ حضرت ابوبکر فرماتے تھے کہ تیرے باپ کی قسم، تیری رات تو چور کی رات نہیں۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت اسماء بنت عمیس زوجہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہار گم ہے۔ لوگ تلاش کرنے لگے تو یہ آدمی بھی ان کے ساتھ گردش کرنے لگا۔ وہ یہ بددعا کرنے لگا کہ اے اللہ تیری لعنت اس کو پہنچے جس نے ایسے نیک گھرانے والوں پر ایسا اقدام کیا ہے۔ زیور ایک سنار کے ہاں ملا اور اس نے دعوے کیا کہ ایک ہاتھ پاؤں بریدہ شخص اس کو لایا تھا۔ تو اس شخص نے اعتراف کر لیا یا اس پر گواہی دی گئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حکم دیا کہ اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اللہ کی قسم، اس کی بددعا جو اس نے اپنے بارے میں کی میرے نزدیک اس کی چوری سے زیادہ عبرت ناک ہے۔

وضاحت:۔ اس میں پیچیدہ مسئلہ یہ ہے کہ اب تک چور کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹ چکے تھے۔

ایک ہاتھ رہ گیا تھا سو وہ بھی کاٹ دیا گیا۔ مالکیہ اور شافعیہ کا فتویٰ اسی پر ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا فتوے یہ ہے کہ ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹ جانے کے بعد، کچھ اور نہیں کاٹا جائے گا۔ اب تعزیر ہو گی۔ اس کو جیل بھیج دیں گے یا کچھ اور سزا دیں گے۔ امام ابو حنیفہؒ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عمل کو جانتے تھے کہ انہوں نے اپنے عامل کی تصویب کی۔ یہ اثر تو بہت بڑا اثر ہے۔ قرآن مجید میں چور کے پاؤں کاٹنے کا ذکر نہیں۔ وہاں فاقطعوا ایدیهما (ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو) ہے۔ از روئے قیاس بار بار چوری پر پاؤں شامل کئے جا سکتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہی ہو گی کہ ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد دوسرا ہاتھ کاٹنا اس کے وجود کو بالکل معطل کر دینا اور اس شخص کو امت پر مستقل بار بنا دینا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی قضائے حاجت سے بھی معذور ہو جائے۔ یہ شریعت کے منشا کے خلاف ہے۔ میرے خیال میں امام صاحب کا فتویٰ ٹھیک ہے۔ قطع ید کی سزا کے بعد اب صرف تعزیر ہو گی۔ لیکن یہ مسئلہ بہت قابل غور ہے۔

قال مالک الامر عندنا فی الذی یسرق مرارا، ثم یستعدی علیه انه لیس علیه الا ان تقطع یده لجمیع من سرق منه اذ لم یکن اقیم علیه الحد، فان کان قد اقیم علیه الحد قبل ذالک ثم سرق مایجب فیه القطع قطع ایضا۔

ترجمہ:۔ امام مالکؒ کا فتوے اس شخص کے بارے میں جس نے بار بار چوری کی ہے، پھر اس کے خلاف مقدمہ دائر ہوتا ہے یہ ہے کہ تمام چوریوں پر اس کا صرف ہاتھ کاٹا جائے گا جب تک اس پر حد قائم نہ ہوئی ہو۔ اگر حد پہلے جاری ہو چکی ہو اور پھر اس نے چوری کی ہو جس پر قطع ید کی سزا ہو تو اس پر دوبارہ یہی حد جاری کر دی جائے گی۔

وضاحت:۔ میری رائے یہ ہے کہ ایک چوری کے بعد ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اس کے بعد اگر وہ معاشرے کے لئے مصیبت بن گیا ہے تو اس کو سورہ مائدہ کی آیت 33 کے تحت سزا دی جائے گی۔ اس میں قاضی کو اختیار ہے۔ جو سزا چاہے وہ دے سکتا ہے بشرطیکہ اس چور نے امن و امان کا مسئلہ پیدا کر رکھا ہو۔

حدثنی عن مالک ان ابا الزناد اخبره ان عاملا لعمر بن عبدالعزیز اخذ ناسا فی حرابه ولم یقتلوا احدا فاراد ان یقطع ایدیهم، او یقتل فکتب الی عمر بن عبدالعزیز فی ذالک فکتب الیه عمر بن عبدالعزیز لو اخذت بایسر ذالک۔

ترجمہ:۔ امام مالک سے روایت ہے کہ ابو الزناد نے ان کو خبر دی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک

عامل نے کچھ لوگوں کو ڈکیتی میں پکڑا لیکن انہوں نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا۔ عامل نے چاہا کہ ان کے ہاتھ کاٹ دیں یا قتل کر دیں۔ اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس کے متعلق لکھا تو انہوں نے لکھا کہ اس سے ہلکا طریقہ اختیار کرتے تو بہتر تھا۔

وضاحت:۔ حرابہ کی نوعیت کیا تھی یہ معلوم نہیں۔ ظاہر ہے کہ معاملے کی نوعیت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے علم میں رہی ہو گی تبھی تو انہوں نے لکھا کہ اس سے نرم کارروائی کرو۔ وہی اس معاملہ میں حکم دے سکتے تھے۔ سزا زیادہ یا کم بھی کر سکتے تھے۔

حرابہ اور سرقہ میں فرق ہے۔ سرقہ تو ظاہر ہے کہ چوری ہے اور حرابہ علی الاعلان چوری ہے۔ جسے ڈکیتی کہتے ہیں۔ اس میں قتل یا زخمی کرنے کا امکان بھی ہوتا ہے جب کہ چوری نقب ہے۔ حرابہ میں میری رائے وہی ہے جس کا مائدہ۔ 33 میں حکم ہے۔ چوری امن امان کا مسئلہ نہیں پیدا کرتی جبکہ حرابہ میں یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔

مالا قطع فیه۔

جس میں قطع کا جواز نہیں۔

حدثنی یحیٰ عن مالک عن یحیٰ بن سعید عن محمد بن یحیٰ بن حبان ان عبدا سرق ودیا من حائط رجل فغرسه فی حائط سیده فخرج صاحب الودی یلتمس ودیه فوجده فاستعدیٰ علی العبد مروان بن الحکم فسجن مروان العبد و اراد قطع یده فانطلق صاحب العبد الیٰ رافع بن خدیج فسأله عن ذالک فاخبره انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا قطع فی ثمر، ولا کثر والکثر الجمار، فقال الرجل فان مروان بن الحکم اخذ غلاما لی وهو یرید قطع یده و انا احب ان تمشی معی الیه فتخبره بالذی سمعت من رسول الله صلی الله علیه وسلم فمشیٰ معه رافع الی مروان بن الحکم وقال اخذت غلاما لهذا؟ فقال نعم، فقال ما انت صانع به قال اردت قطع یده، فقال له رافع سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: لا قطع فی ثمر ولا کثر فامر مروان بالعبد فارسل۔

ترجمہ:۔ یحیٰ بن حبان سے روایت ہے کہ ایک غلام نے کھجوروں کی قلمیں چرائیں اور لے جا کر اپنے مالک کے باغ میں لگا دیں۔ قلموں کا مالک تلاش کرتا ہوا نکلا تو ان کو اس باغ میں پایا۔ اس نے

مروان بن حکم کے پاس باغ کے مالک کے خلاف استغاثہ کر دیا۔ مروان نے غلام کو قید کر لیا اور چاہا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دے۔ غلام کا مالک رافع بن خدیج کے پاس اس کا حکم پوچھنے گیا۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ باغ میں لٹکتے ہوئے پھل اور جڑوں سے نکلی ہوئی شاخوں کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس آدمی نے کہا کہ مروان نے میرا غلام پکڑا ہے اور وہ اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ اس کے پاس چلیں اور جو کچھ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اس کو بتائیں۔ رافع اس کے ساتھ مروان کے پاس گئے اور پوچھا کیا آپ نے غلام کو اسی جرم میں پکڑا ہے۔ انہوں نے کہا جی۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ اس کو کونسی سزا دینے والے ہیں۔ مروان نے کہا کہ میں اس کا ہاتھ کاٹنے والا ہوں۔ اس پر رافع نے مروان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ پھل اور قلم کی چوری میں قطع ید نہیں۔ اس پر مروان نے غلام کو چھوڑنے کا حکم دے دیا۔

وضاحت:۔ جڑوں سے جو شاخیں نکلتی ہیں ان کو 'کثر' کہتے ہیں۔ 'جمار' کا مطلب کھجور کے تنے سے نکلنے والی شاخیں ہے۔ ان کو ودی بھی کہتے ہیں۔ یہ شاخیں قلم کا کام دیتی اور خاصی قیمتی ہوتی ہیں۔ بہرحال اگر ربع دینار سے زائد بھی ان کی قیمت ہو تب بھی اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی چوری پر بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ البتہ اگر پھل توڑ کر محفوظ کر لئے گئے ہوں اور وہ چوری ہو جائیں تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا بشرطیکہ مسروقہ پھل کی قیمت ربع دینار سے زائد ہو۔

حدثنی عن مالک عن ابن شہاب عن السائب بن یزید ان عبداللہ بن عمرو بن الحضرمی جاء بغلام لہ الی عمر بن الخطابؓ فقال لہ اقطع ید غلامی ھذا فانہ سرق' فقال لہ عمر ماذا سرق؟ فقال سرق مرآۃ لامراتی ثمنھا ستون درھما' فقال عمر ارسلہ فلیس علیہ قطع خادمکم سرق متاعکم۔

ترجمہ:۔ سائب بن یزید سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن حضرمی ایک لڑکے کو پکڑ کر حضرت عمر بن خطابؓ کی خدمت میں لائے اور کہا کہ میرے اس لڑکے کا ہاتھ کاٹ دیں کیونکہ اس نے چوری کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کیا چیز چوری کی ہے۔ اس نے کہا میری بیوی کا آئینہ جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اس کو چھوڑ دو۔ اس میں قطع ید کی سزا نہیں۔ یہ نوکر بھی تمہارا ہے اور اس نے مال بھی تمہارا ہی چرایا ہے (یعنی اس میں کوئی دوسرا فریق مقدمہ نہیں ہے)۔

وضاحت:۔ قطع ید کی سزا محفوظ مال پر ہے۔ گھر کے افراد سے حفاظت کرنا ممکن نہیں ہوتا' وہ

خوادمین ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ چوری کا معاملہ نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ اس سے نوکروں کو حوصلہ ہو گی لیکن حقیقت یہی ہے کہ صاحب خانہ کو خود ہی حفاظت کا اہتمام کرنا چاہئے۔ کمرے میں تالا لگا کر رکھیں یا دوسرے طریقوں سے پوری احتیاط کریں۔ قطع ید سے یہ رعایت غلامی کی بنا پر نہیں بلکہ نوکری کی وجہ سے ہے۔ اس کی علت گھر کا فرد ہونا ہے۔

حدثنی عن مالک عن ابن شہاب ان مروان بن الحکم اتی بانسان قد اختلس متاعا فاراد قطع یدہ فارسل الی زید بن ثابت یسئلہ عن ذالک' فقال زید بن ثابت لیس فی الخلسہ قطع۔

ترجمہ:۔ ابن شہاب سے روایت ہے کہ مروان بن حکم کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے مال اچک لیا تھا۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیں۔ لہذا زید بن ثابتؓ سے اس کے متعلق مسئلہ دریافت کرنے کے لئے پیغام بھیجا۔ زید بن ثابت نے کہا کہ مال اچکنے میں قطع ید نہیں۔

وضاحت:۔ زید بن ثابتؓ مدینہ کے مفتی تھے۔ ان کا یہ فتوے ہے کہ مال اچکنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی اور سزا بھی نہیں دی جائے گی۔ ہاتھ کاٹنے میں بہت زیادہ رسوائی بھی ہے اور آدمی معذور بھی ہو جاتا ہے۔ اس لئے مال اچکنے پر تعزیر ہو گی۔ تعزیر اگر سخت بھی ہو تب بھی جسمانی اسلحہ تو محفوظ رہتے ہیں۔

کتاب الاشربہ

الحد فی الخمر

شراب خوری کی حد

"حد" کی تعریف:۔ کسی جرم کی وہ سزا حد کہلاتی ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے مقرر کی ہو۔ اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اجماع خلفائے راشدین سے جو سزا مقرر کی گئی ہو وہ بھی "حد" ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ علیکم بسنتی و سنت الخلفاء الراشدین۔ یعنی میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو۔ کوئی دوسرا شخص حد قائم کرنے کا مجاز نہیں۔ فقہا کے اجتہاد سے کوئی حد مقرر نہیں ہو سکی اگرچہ اس پر فقہا کا اجماع بھی ہو جائے۔

حدثنی عن مالک عن ابن شہاب عن السائب بن یزید انہ اخبرہ ان عمر

بن الخطاب خرج علیهم فقال انی وجدت من فلان ریح شراب فزعم انه شراب الطلا و انا سائل عما شرب فان کان یسکر جلدته فجلده عمر الحد تاما۔

ترجمہ:۔ ابن شہاب سے روایت ہے کہ سائب بن یزید نے ان کو خبر دی کہ حضرت عمر بن خطابؓ ایک دن نکلے تو کہا کہ میں نے فلاں شخص کے منہ سے شراب کی بو محسوس کی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ شراب طلا کی قسم والی شراب ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں اس کے بارے میں پوچھوں گا کہ وہ کیا چیز ہے۔ اگر وہ مسکر ہوگی تو اس کو کوڑے ماروں گا۔ تو حضرت عمرؓ نے اس پر پوری حد جاری کی۔

وضاحت:۔ طلا اس شراب کو کہتے ہیں جو گاڑھے شیرے سے بنائی جائے۔ لیکن آج اور اس زمانے کی شرابوں کا فرق اتنا نمایاں ہے کہ دونوں کا مقابلہ مشکل ہے۔ اس زمانے میں زیادہ تر شراب جو کی یا گندم کی ہوتی یا پھر کھجور کی مختلف اقسام کو ملا کر شراب بناتے تھے۔ انگور کی شراب بہت کم بلکہ نایاب تھی۔

شراب کے بارے میں احناف کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ان کے نزدیک خمر کا اطلاق صرف انگور کی شراب پر ہوتا ہے۔ یہ بات درست نہیں عربی زبان کا طالبعلم ہونے کی حیثیت سے میں اس بات پر مطمئن ہوں کہ خمر کا اطلاق ہر قسم کی شراب پر ہوتا ہے۔ مزید برآں انگوری شراب ان کے ہاں قلیل و کثیر دونوں مقداروں میں حرام ہے اور اس پر کوڑوں کی سزا ہوگی۔ لیکن انگور کے علاوہ جو شرابیں بنتی ہیں وہ اگر اتنی مقدار میں پی جائیں جس سے نشہ ہو جائے تب کوڑے مارے جائیں گے۔ اگر نشہ نہ ہو تو حد جاری نہیں کی جائے گی۔

روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے طلا کے بارے میں تحقیقات کروائی اور اس کے پینے پر اس کے مسکر ہونے کی وجہ سے پوری حد جاری کی۔ پوری حد کا مطلب ہے اسی کوڑے۔ باقی رہ گیا کہ وہ فلاں کون صاحب تھے تو حافظ عبدالبر کی تحقیق یہ ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کے بیٹے تھے۔ بہرحال انہوں نے تحقیق کے بعد ان پر حد جاری کی۔

حدثنی عن مالک عن ثور بن زید الدیلی ان عمر بن الخطاب استشار فی الخمر یشربها الرجل' فقال له علی ابن ابی طالب نری ان نجلده ثمانین فانه اذا شرب سکر' واذا سکر هذی' واذا هذی افتری او کما قال فجلد عمر فی الخمر ثمانین۔

ترجمہ:۔ امام مالک ثور بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا

کہ اگر کوئی شخص شراب پئے تو کیا سزا دی جائے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ اس کو اسی کوڑے لگانے چاہئیں کیونکہ جب وہ شراب پئے گا تو نشہ میں ہو گا اور جب نشے میں ہو گا تو بکواس کرے گا اور جب بکواس کرے گا تو افترا کرے گا (یا انہوں نے جو کچھ کہا) تو حضرت عمرؓ نے شراب پینے کے جرم میں اسی کوڑوں کی سزا دی۔

وضاحت:۔ اس روایت میں چند باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عمرؓ نے مشورہ تو اجل صحابہ جن میں فقاہت تھی' سب سے طلب کیا تھا لیکن روایت میں صرف حضرت علیؓ کے مشورہ کا ذکر ہے۔

دوسرے حضرت علیؓ کا مشورہ بھی محل نظر ہے۔ اس کی حیثیت ایک لطیفے سے زیادہ نہیں۔ یہ اسی طرح کی بات ہے کہ "مکس کو باغ میں جانے نہ دیجو۔ کہ ناحق خون پروانے کا ہو گا۔" یہ بات درست ہے کہ شراب پئے گا تو نشہ ہو گا' نشہ ہو گا تو بکواس کرے گا' بکواس کرے گا تو افترا کرے گا' لیکن یہ تو ضروری نہیں کہ اس کی بکواس کی نوعیت قذف کی ہو جس کی سزا اسی کوڑے ہے۔ جب آدمی بدمست ہوتا ہے تو اس سے سنگین قسم کے واقعات بھی سرزد ہوتے ہیں۔ بہن بیٹی میں تمیز نہیں کرتا۔ قتل تک کے واقعات ہو جاتے ہیں۔ شرابی جب پھنکارنے پر آتے ہیں تو نہ جانے کیا کیا بکواس کرتے ہیں۔ قذف تو شراب نوشی کا ایک ضمنی سا جرم ہے۔ بادی النظر میں تو یہ نکتہ بڑا عارفانہ معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی حیثیت بس ایک افسانے سے زیادہ نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ خود حضرت علیؓ نے اس حد پر عمل نہیں کیا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں انہوں نے لبید کو چالیس کوڑے مارے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہی کیا اور یہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کیا اور یہی میں کرتا ہوں۔ یعنی جس نکتے کی بڑی دھوم تھی اس نکتہ پر خود انہوں نے عمل نہیں کیا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالدؓ نے امیرالمومنین کو لکھا کہ شراب کے پینے کی سزا بالکل معمولی ہے لہٰذا اس کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کے تدارک کی فکر کرنی چاہئے۔ تب حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو اجل صحابہ نے یہ مشورہ دیا کہ اقل حد اس پر جاری کر دی جائے جو قذف کی حد ہے۔ یہ فلسفہ ان کا معقول تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس امر کے پیش نظر کہ فتنہ بڑھتا جا رہا ہے اور ایک ذمہ دار آدمی نے اس کے روکنے کے لئے کہا ہے یہ فیصلہ فقیہ صحابہ کے مشورہ سے کیا۔

آنحضرت ﷺ سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص شراب پی کر آیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کو مارو۔ کسی نے تھپڑ مارا' کسی نے گھونسا مارا' کسی نے جوتا کھینچ مارا' کسی نے اپنی چادر کا کوڑا بنا کر مارا' اس کے بعد اس کو چھوڑ دیا گیا۔ تخمینہ لگایا گیا کہ کتنی مار پڑی ہو گی تو لوگوں نے کہا کہ چالیس کوڑے کے قریب۔ بس یہ تخمینہ ہی تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہی مسلک ہے اور یہی مسلک

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا ہے۔ لیکن اس پر اجماع نہیں۔ اگر حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسی کوڑوں کی سزا پر اجماع ہو جاتا تو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اس کے خلاف کیسے عمل کرتے؟ گویا شرابی کی سزا کا معاملہ حد کا نہیں بلکہ تعزیر کا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ نے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔ ان کے سوا کوئی دوسرا حد مقرر نہیں کر سکتا۔ تعزیر کا معاملہ اجتہادی ہے۔ امیر اپنی رائے یا مشاورت سے حالات کے مطابق سزا دے سکتا ہے۔ فقہا حالات کے مطابق جو فیصلہ کریں وہ کر سکتے ہیں۔

حدثني عن مالك عن ابن شهاب انه سئل عن حد العبد في الخمر' فقال بلغني ان عليه نصف حد الحر في الخمر و ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان و عبدالله بن عمر قد جلدوا عبيدهم نصف حد الحر في الخمر۔

ترجمہ: ابن شہاب سے پوچھا گیا کہ اگر غلام نے شراب پی ہو تو اس پر کیا سزا ہو گی تو انہوں کہا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ غلام کی سزا آزاد سے آدھی ہے اور حضرت عمر بن خطابؓ حضرت عثمان بن عفانؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے غلاموں کو آزاد سے نصف سزا دی۔

وضاحت: اس اثر میں بڑا جھگڑا یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے ہاں شرابی کی سزا اسی کوڑے ہے جبکہ حضرت عثمانؓ کے ہاں چالیس کوڑے' تو کس سزا کا نصف ہو گا؟ اللہ کا شکر ہے کہ اب غلامی کا معاملہ ختم ہو گیا ہے۔ اب یہ ہمارا موضوع نہیں رہا۔

حدثني عن مالك عن يحيى بن سعيد انه سمع سعيد بن المسيب يقول: ما من شئ الا يحب الله ان يعفى عنه مالم يكن حدا۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیب سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ کوئی شے ایسی نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کو معافی زیادہ پسند ہو جب تک کہ وہ حد نہ ہو۔

وضاحت: سعید بن مسیب مدینہ کے فقہا میں سے تھے۔ یہ ان کا قول ہے۔ حد صرف اللہ تعالے اور رسول اللہ ﷺ ہی متعین کر سکتے ہیں۔ اور اگر خلفائے راشدین کا اجماع ہو تو وہ اجتہادی حد سب سے زیادہ قوی ہے۔ حدوں کے علاوہ دوسری تعزیرات سے حتی الامکان درگزر پسندیدہ ہے۔

ما ينهى ان ينبذ فيه

کن برتنوں میں نبیذ بنانا ممنوع ہے

نبیذ کا اہل عرب میں بہت رواج تھا۔ یہ ایک مقوی مشروب تھا۔ کھجور میں پانی' کچھ انگور اور مزید

کچھ چیزیں ملا کر اس کو خمیر اٹھنے تک رکھ دیا جاتا پھر اس کو پی لیتے۔ بعض حالات میں اس میں جوش (Fermentation) بھی آ جاتا ہو گا۔ بہرحال وہ ایک مقوی اور نشاط انگیز چیز بن جاتی تھی۔ نبیذ کو اگر زیادہ دیر کے لئے رکھ دیا جاتا تو وہ شراب کے حکم میں آ جاتی تھی۔ جب شراب کی حرمت کا حکم ہوا تو سوال پیدا ہوا کہ کیا نبیذ پینے والے پر بھی حد جاری کر دی جائے گی تاکہ جن چیزوں میں نشہ کا اندیشہ ہو ان سے بھی بچا جائے۔

حدثني يحيى عن مالك عن نافع عن عبدالله بن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب الناس في بعض مغازيه' فقال عبدالله بن عمر فاقبلت نحوه فانصرف قبل ان ابلغه فسالت ماذا قال؟ فقيل نهى ان ينبذ في الدباء والمزفت۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ کسی غزوہ کے موقع پر خطبہ دیا۔ میں آگے بڑھا تاکہ سنوں لیکن میرے پہنچنے سے پہلے آپؐ نے خطبہ ختم کر دیا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ آپؐ نے کیا فرمایا۔ تو لوگوں نے بتایا کہ آپؐ نے نبیذ کو دبا اور مزفت میں بنانے سے منع فرمایا ہے۔

وضاحت: دبا تو کدو کو کہتے ہیں۔ وہ جب خشک ہو جاتا ہے تو اس کے اوپر کا چھلکا سخت اور چکنا ہو جاتا ہے۔ اس میں نبیذ تیار کرنے سے جوش جلدی پیدا ہو جاتا ہے۔

مزفت اس مٹکے کو کہتے ہیں جس کے اوپر تارکول یا کوئی ایسی چیز مل دیں جس سے اس کے مسام بند ہو جائیں۔ اس میں بھی خمیر جلد اٹھتا ہے۔ دبا اور مزفت کا استعمال نبیذ بنانے میں معروف تھا۔ جب شراب حرام کی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ نبیذ دبا اور مزفت قسم کے برتنوں میں نہ بنائی جائے کیونکہ ان برتنوں میں تیار کردہ نبیذ نشہ آور ہو جاتی ہے۔ یہ حکم سد ذریعہ کے طور پر تھا۔

مايكره ان ينبذ جميعا

کن چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانی مکروہ ہے۔

حدثني يحيى عن مالك عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى ان ينبذ البسر و الرطب جميعا' والتمر والزبيب جميعا۔

ترجمہ: عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچی کھجور کو تقریبا تیار کھجور

کے ساتھ ملا کر اور خشک کھجور کے ساتھ منقے ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا۔

حدثنی عن مالک عن الثقه عنده عن بکیر بن عبداللہ بن الاشج عن عبدالرحمٰن بن الحباب الانصاری عن ابی قتادہ الانصاری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھٰی ان یشرب التمر والزبیب جمیعا' والزھو والرطب جمیعا۔

ترجمہ:۔ ابو قتادہ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خشک کھجور اور منقے کی ایک ساتھ اور کھجور اور رطب کی ایک ساتھ ملا کر تیار کردہ نبیذ پینے سے منع فرمایا۔

وضاحت:۔ نبیذ کی چند ایک قسمیں تھیں۔ ایک تو مفرد ہوتی یعنی صرف کھجور کو پانی میں بھگو کر نبیذ تیار کر لیتے۔ دوسری مرکب کہ کھجور کے ساتھ منقے شامل کر لیتے یا پختہ کھجور کے ساتھ کچی کھجور ملا دیتے۔ اس طرح ایک چیز دوسری چیز کو جوش دلانے میں مددگار ہو جاتی اور مشروب میں تیزی پیدا ہو جاتی تھی۔ آپؐ نے مرکب نبیذ سے منع فرمایا۔ یہ حکم بھی سد ذریعہ کی نوعیت کا تھا۔ بعد میں جب لوگوں پر اس کی حکمت واضح ہو گئی اور اس کا اندیشہ نہ رہا کہ لوگ شراب اور نبیذ میں تیز نہ کریں گے تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے فلاں فلاں قسم کی نبیذ سے روکا تھا' اب تمھیں اس کی اجازت ہے۔

تحریم الخمر

شراب کی حرمت

حدثنی یحیٰی عن مالک عن ابن شہاب عن ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن عن عائشہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہا قالت سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البتع' فقال کل شراب اسکر فھو حرام۔

ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بتع کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ہر مشروب جو نشہ آور ہو' وہ حرام ہے۔

وضاحت:۔ بتع خاص اہل یمن کی شراب تھی جو وہ شہد سے بناتے تھے۔ شہد یا اس کا شربت پینے میں کوئی حرج نہیں لیکن جب اس کا خمیر اٹھا لیا جائے اور وہ نشہ آور ہو جائے تو اس کا پینا حرام ہے۔ مشروبات میں اصل یہی ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے' خواہ اس کی مقدار قلیل ہو یا کثیر۔

حدثنی عن مالک عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار ان رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم سئل عن الغبیراء فقال: لا خیر فیہا و نھٰی عنہا۔ قال مالک: فسالت زید بن اسلم ما الغبیراء؟ فقال ھی الاسکرکہ۔

ترجمہ:۔ عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے غبیراء کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا اس میں خیر نہیں۔ اس کے پینے سے آپؐ نے منع کر دیا۔ امام مالک نے زید بن اسلم سے پوچھا کہ غبیراء کیا ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ اسکرکہ ہوتی ہے۔

وضاحت:۔ غبیراء یا اسکرکہ کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ باجرے کی شراب ہوتی تھی۔ دوسرا یہ کہ اس کو چاول سے بناتے تھے۔ آپؐ نے اس کے پینے سے منع فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ پیغمبر کو ایسا علم عطا کرتے ہیں کہ وہ ہر چیز کے متعلق پوری قطعیت کے ساتھ رائے دیتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کو وہ ذاتی معلومات کی روشنی میں جانچے ہوئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک شعبہ ہی میں نہیں بلکہ ہر شعبہ میں ان کا علم ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہاں تو کھانے پینے کا ذکر ہے۔ اخلاقیات میں' سیاسیات میں' اجتماعیات میں' ہر معاملہ میں پوچھئے تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ان کو ذاتی تجربہ ہے۔ نبوت کے خاص منصب کی خصوصیات ہی سے اس علم کی توجیہ ہو سکتی ہے۔ پیغمبر اپنی ذات میں اتنا مکمل اور کامل ہوتا ہے کہ وہ انسانیت کی اس اونچی سطح پر ہوتا ہے جس تک علماء اور حکماء کی رسائی ممکن نہیں ہوتی۔

حدثنی عن مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من شرب الخمر فی الدنیا' ثم لم یتب منہا حرمہا فی الآخرہ۔

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دنیا میں شراب پی پھر اس سے توبہ نہ کی تو وہ اس پر آخرت میں حرام ہو گی۔

وضاحت:۔ جنتیوں کو جس شراب طہور کی بشارت دی گئی ہے دنیا کے شرابی اس سے محروم رہیں گے۔ اور عین ممکن ہے شرابی جنت میں داخل ہی نہ ہو سکیں۔ شراب ام الخبائث ہے۔ تمام اخلاق و کردار کو تباہ کر دیتی ہے۔ وہ پینے والے کو جنت میں جانے کے قابل ہی کہاں چھوڑتی ہے۔ آپؐ کے فرمان کا اشارہ اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔

جامع تحریم الخمر

شراب کی حرمت سے متعلق جامع باب

حدثنی یحیٰ عن مالک عن زید بن اسلم عن ابن وعلہ المصری انہ سال عبداللہ بن عباس عما یعصر من العنب' فقال ابن عباس اھدی رجل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راویہ خمر فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما علمت ان اللہ حرمہا؟ قال لا فسارہ الرجل الیٰ جنبہ فقال لہ رسول اللہ علیہ وسلم بم سار رتہ' فقال امرتہ ان یبیعھا' فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الذی حرم شربہا حرم بیعھا ففتح الرجل المزادتین حتی ذھب مافیہما۔

ترجمہ: ابن وعلہ مصری سے روایت ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ انگور کا رس نچوڑ کر جو شراب بنائی جاتی ہے' اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو ایک اونٹ شراب لادے ہوئے ہدیہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام کر دیا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ تو ایک شخص نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ آپؐ نے اس سے پوچھا کہ آپ نے کیا سرگوشی فرمائی؟ اس نے کہا کہ میں نے مشورہ دیا کہ اس کو بیچ دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس ذات نے اس کا پینا حرام کیا ہے اس نے اس کی بیع بھی حرام کی ہے۔ تو اس شخص نے دونوں مشکیزوں کے منہ کھول دیئے اور ان کے اندر جو کچھ تھا وہ بہہ گیا۔

وضاحت: اس روایت میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص نے آنحضرت ﷺ کو شراب کا تحفہ کیوں دیا' جبکہ آپؐ نے دور جاہلیت میں بھی کبھی شراب نہیں پی۔ ہو سکتا ہے عام قبائلی سرداروں کی خدمت میں لوگ اس طرح کے تحفے پیش کرتے رہے ہوں۔

اس روایت سے یہ حکم نکلا کہ شراب کا پینا ہی حرام نہیں بلکہ اس کا کاروبار کرنا بھی ممنوع ہے۔ کاروبار کی ممانعت سد ذریعہ کے طور پر ہے۔

حدثنی عن مالک عن اسحق ابن عبداللہ بن ابی طلحہ عن انس بن مالک انہ قال: کنت اسقی ابا عبیدہ بن الجراح و ابا طلحہ الانصاری و ابی بن کعب شرابا من فضیخ و تمر۔ قال فجاء ھم آت فقال: ان الخمر قد حرمت' فقال ابو طلحہ یا انس قم الی ھذہ الجرار فاکسرھا' قال فقمت الی مھراس لنا فضربتہا باسفلہ حتی تکسرت۔

ترجمہ: انس ابن مالک روایت کرتے ہیں کہ میں ابوعبیدہ بن جراح' ابو طلحہ انصاری اور ابی بن کعب کو فضیخ اور کھجور کی شراب پلاتا تھا۔ ان کے ہاں ایک شخص آیا اور بتایا کہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔ ابو طلحہ نے کہا اے انس اٹھو اور یہ سبو جتنے ہیں ان کو توڑ دو۔ انس کہتے ہیں میں اٹھا' ایک پتھر لیا اور ان کے پیندوں پر مارا تو وہ چکنا چور ہو گئے۔

وضاحت: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب پینے کا رواج عام رہا ہو گا۔ لیکن اللہ تعالے کا حکم آنے کے بعد سب نے فوری طور پر شراب پینا ترک کر دی۔ یہاں حضرات ابوعبیدہ بن الجراح' ابو طلحہ انصاری اور ابی بن کعب کے جذبہ اطاعت کا حوالہ ہے کہ انہوں نے کس طرح فی الفور حکم پر عمل کیا۔ یہ تینوں اجل اور فقیہ صحابہ میں سے تھے۔

حدثنی عن مالک عن داؤد بن الحصین عن واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ انہ اخبرہ عن محمود بن لبید الانصاری ان عمر بن الخطاب حین قدم الشام شکا الیہ اھل شام وباء الارض وثقلھا' وقالوا لا یصلحنا الا ھذا الشراب' فقال عمرؓ اشربوا ھذا العسل قالوا لا یصلحنا العسل' فقال رجل من اھل الارض ھل لک ان نجعل لک من ھذا الشراب شیئا لا یسکر؟ قال نعم' فطبخوہ حتی ذھب منہ الثلثان وبقی الثلث فاتوا بہ عمر فادخل فیہ عمر اصبعہ' ثم رفع یدہ فتبعھا یتمطط' فقال ھذا الطلا ھذا مثل طلاء الابل فامرھم عمر لہ ان یشربوہ' فقال لہ عبادہ بن الصامت احللتہا واللہ' فقال عمر کلا واللہ اللھم انی لا احل لھم شیئا حرمتہ علیھم' ولا احرم علیھم شیئا احللتہ لھم۔

ترجمہ: محمود بن لبید انصاری سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ جب شام کے دورے پر آئے تو اہل شام نے شکایت کی کہ ہمارا ملک بڑا وبائی ہے۔ اس کی ہوا میں بڑی ثقالت ہے۔ اور ہمارا مزاج شراب کے بغیر درست نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ شہد پیا کرو۔ انہوں نے کہا شہد سے مزاج درست نہیں ہوتا۔ علاقے کے ایک شخص نے کہا اگر میں آپ کے لئے شراب کو غیر مسکر بنادوں تو آپ خواہش کریں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ تو اس نے انگور کی شراب کو اتنا پکایا کہ دو ثلث اس کے ختم کر دیئے اور ایک ثلث باقی رہ گیا۔ لوگ اس کو حضرت عمرؓ کے پاس لائے۔ انہوں نے اپنی انگلی اس میں ڈالی۔ نکالی تو اس کا تار چپکا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ تو روغن ہے' ایسا روغن اونٹ کو ملتے ہیں۔ آپ نے کہا ہاں یہ پیو۔ عبادہ بن صامتؓ نے کہا کہ واللہ' آپ نے ان کے لئے شراب حلال کر دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم۔ اے اللہ میں نے ان کے لئے کوئی ایسی چیز حلال نہیں کی جو تو نے ان پر حرام کی ہے اور نہ وہ چیز حرام کی ہے جو تو نے ان کے لئے حلال کی ہے۔

وضاحت:۔ حضرت عمرؓ کا فتوے درست ہے۔ شراب کا اگر سرکہ بنا لیا جائے اور وہ مسکر نہ رہے تو وہ حلال ہے' اگرچہ ایک مرحلے میں وہ شراب ہی رہی ہو۔ اس فتویٰ کو بعض حضرات نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہ فتوے واپس لے لیا تھا۔ اسی لئے انہوں نے اپنے بیٹے کو طلا پینے پر سزا دی تھی۔ حالانکہ جو کچھ ان کے بیٹے نے پیا وہ اور طلا رہا ہو گا جو مسکر ہو گا۔ یہ طلا جو اس شخص نے بنا کر پیش کیا وہ مسکر نہیں تھا۔ شاہ ولی اللہؒ نے اس روایت پر باب باندھا ہے کہ مثلث یعنی وہ شراب جو پکنے کے بعد ایک تہائی رہ جائے حلال ہے لیکن زرقانی یہ نہیں مانتے۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنی رائے واپس لے لی تھی۔ لیکن رائے واپس لینے کی کیا وجہ تھی یہ ان کو معلوم نہیں۔ میرے نزدیک یہی موقف صحیح ہے کہ جب کوئی چیز مسکر نہ رہے تو وہ جائز ہے اگرچہ کسی مرحلہ میں وہ شراب رہی ہو۔ ظاہر ہے نوعیت بدل جانے پر وہ شراب کے حکم میں نہیں رہتی۔ جب مسکر نہیں رہی تو حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

حدثنی عن مالک عن نافع عن عبداللہ ان رجالا من اھل العراق قالوا له یا ابا عبدالرحمٰن انا نبتاع من ثمر النخل والعنب فنعصره خمرا فنبیعها فقال عبداللہ بن عمر انی اشهد الله علیکم و ملائکته ومن سمع من الجن والانس انی لا آمرکم ان تبیعوها' ولا تبتاعوها' ولا تعصروها' ولا تشربوها' ولا تسقوها فانها رجس من عمل الشیطان۔

ترجمہ:۔ اہل عراق میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن ہم کھجوروں اور انگوروں کی خرید و فروخت کرتے ہیں اور ان کو شراب بنانے کے لئے نچوڑ لیتے اور شراب فروخت کرتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا میں اللہ کو' اس کے فرشتوں کو اور تمام جن و انس کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں تمہیں اجازت نہیں دیتا کہ تم اس کو بیچو' اس کی خرید و فروخت کرو یا اس کو نچوڑ کر شراب بناؤ اور اس کو پیو اور پلاؤ۔ یہ سب رجس اور شیطان کا عمل ہے۔

وضاحت:۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ وہ اس سے کم کیا کہہ سکتے تھے۔ حرام چیز کی تجارت کو ذریعہ معاش بنانا بھی حرام ہے۔ باب کے شروع میں روایت گذر چکی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس ذات نے اس کا پینا حرام کیا ہے اسی نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام کی ہے۔ یعنی اللہ تعالے نے ہی اس کی فروخت حرام کی ہے۔

(ترتیب: سعید احمد)

مقالات

خالد مسعود

فتح مکہ

فتح مکہ اسلام کی تاریخ کا سب سے اہم اور درخشاں واقعہ ہے۔ ہجرت کے فوراً" بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو جو ہدف دیا گیا وہ یہ تھا کہ اللہ کے گھر کو شرک کی نجاست سے پاک کریں اور اس پر قابض مشرکین کو وہاں سے بے دخل کریں۔ مسلمانوں کو اسی لمحے بتا دیا گیا تھا کہ اس منزل کو پانا آسان نہیں ہو گا۔ اس کی طرف لے جانے والا راستہ نہایت کٹھن ہے۔ قدم قدم پر مشکلات پیش آئیں گی جن سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جان و مال کا نقصان برداشت کرنا ہو گا۔ قدم ڈگمگائیں گے لیکن اللہ پر بھروسہ کرنے اور ثابت قدمی دکھانے والے بالآخر کامران ہوں گے۔ پھر جس طرح معاہدہ حدیبیہ کے بعد سورہ فتح نازل ہوئی جس میں معاہدہ کو فتح مبین قرار دے کر پیشگوئی کی گئی کہ یہ معاہدہ فتح مکہ کی کلید ثابت ہو گا اسی طرح فتح مکہ سے قبل سورہ نصر نازل ہوئی جس میں پہلے سے خبر دے دی گئی کہ نصرت خداوندی کے طفیل مکہ فتح ہو گا اور اس کے بعد مشرکین عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہوں گے۔ شرک پر اسلام کے اس غلبہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے مشن کی تکمیل ہو جائے گی۔ حیرت ہے کہ تاریخ اسلام کے اس اہم موڑ کے بارے میں تاریخ اور سیرت کی کتابیں جو نقشہ کھینچتی ہیں وہ کچھ یوں ہے کہ نبی ﷺ نے اس مہم کو ایک سربستہ راز بنا دیا جس کی خبر اپنے معتمد ترین ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی نہیں ہونے دی۔ قریش جو اس مہم کی زد میں آنے والے تھے' اس کی طرف سے ایسے غافل رہے کہ انہیں کانوں کان خبر نہیں ہوئی اور آنحضرت ﷺ دس ہزار کا لشکر لے کر ان کے سروں پر جا پہنچے۔ پھر مکہ میں داخلہ کی جو روداد بیان کی گئی ہے وہ کچھ ایسی ہے کہ ہمارے فقہا آج تک یہ طے نہیں کرپائے کہ مکہ جنگ کے نتیجہ میں فتح ہوا یا بغیر جنگ کے اس پر قبضہ ہو گیا۔ شائد سیرت نگاروں کی اعجوبہ پسند طبائع کو اسی سے تسکین حاصل ہوتی ہو کہ رسول اللہ کے مشن کی تکمیل کی اس شاندار اور کامیاب مہم کو اس قدر غیر حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کریں۔

مکہ پر چڑھائی کی تیاری:

ابو سفیان کی معاہدہ حدیبیہ کو برقرار رکھنے کی درخواست کو مسترد کرنے کے بعد نبی ﷺ نے کفار قریش پر آخری ضرب لگانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آپ نے مدینہ کے مسلمانوں کو جنگ کے لئے تیار ہونے کا حکم دیا اور تمام حلیف قبائل اور نو مسلم قبائل میں بھی اپنے داعی بھیجے کہ وہ لوگوں کو جنگ کے لئے تیار کریں۔ حدیبیہ کی مہم کے ضمن میں ہم بتا چکے ہیں کہ نبی ﷺ کے سفر عمرہ

میں بہت سے بدوی قبائل نے اس بنا پر شمولیت سے انکار کر دیا تھا کہ وہ اس سفر کو موت کے منہ میں جانے کے مترادف سمجھتے تھے۔ معاہدہ حدیبیہ کی تکمیل کے بعد جب سورہ فتح نازل ہوئی تو اس میں ان قبائل کی کمزوری اور ضعف ایمانی کو بے نقاب کرنے کے ساتھ ساتھ یہ خبر بھی دی گئی کہ ایک قریبی مہم میں مال غنیمت ملنے کے مواقع نظر آئیں گے تو یہ لوگ اس میں شامل ہونا چاہیں گے لیکن ان کو اس مہم میں شرکت کی ہرگز اجازت نہ دی جائے البتہ اس کے بعد ایک بڑی مہم اور طاقتور دشمن سے مقابلہ کے اسباب پیدا ہوں گے' اس مہم میں ان لوگوں کو بلایا جائے تاکہ یہ اپنی وفاداری کا ثبوت دے سکیں۔ قریبی مہم غزوہ خیبر کی تھی جس میں صرف بیعت رضوان کرنے والے صحابہ کو شمولیت کی اجازت دی گئی۔ بڑا معرکہ اور سخت جان دشمن سے مقابلہ اب درپیش تھا۔ قریش ملک کی سب سے بڑی قوت تھے اور مکہ کو فتح کرنا ایک مشکل مہم تھی۔ چنانچہ سورہ فتح کی مذکورہ ہدایات کے مطابق آنحضرت ﷺ نے اقدام فرمایا۔ وہ آیات یوں ہیں:

قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونهم اویسلمون فان تطیعوا یوتکم الله اجرا حسنا وان تتولوا کما تولیتم من قبل یعذبکم عذابا الیما لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ومن یطع الله ورسوله یدخله جنت تجری من تحتها الانهر ومن یتول یعذبه عذابا الیما (فتح 16' 17)

(اہل بدو میں سے ان پیچھے چھوڑے ہوئے لوگوں سے کہہ دو کہ عنقریب تم لوگ ایک طاقتور حریف سے لڑنے کے لئے بلائے جاؤ گے' تم کو ان سے جنگ جاری رکھنی ہوگی یا وہ اسلام لائیں گے۔ تو اگر تم نے اس حکم کی اطاعت کی تو اللہ تم کو ایک اچھا اجر دے گا اور اگر تم نے منہ موڑا' جیسا کہ تم نے پہلے منہ موڑا' تو وہ تم کو ایک دردناک عذاب دے گا۔ نہ نابینا پر کوئی گناہ ہے' نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ مریض پر کوئی گناہ ہے۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہے گا اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو روگردانی کرے گا تو اللہ اس کو ایک دردناک عذاب دے گا)

روایات کے مطابق آنحضرت ﷺ نے بدوی قبائل اسلم' جہینہ' غفار' بنو ضمرہ' بنو الحصین' اشجع' مزینہ' بنو سلیم اور بنو کعب کی طرف انہی قبائل سے تعلق رکھنے والے اصحاب کو بھیجا کہ وہ لوگوں کو جنگ میں شرکت پر ابھاریں۔ ان اصحاب کے نام کتب سیرت میں بیان ہوئے ہیں اس لئے ان کو دہرانا تحصیل حاصل ہوگا۔ سورہ فتح کے نزول کے بعد جہاد کی ترغیب دینے کے لئے داعیوں کو بدوی قبائل میں بھیجنے کا اہتمام نمایاں طور پر اسی مہم میں نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اہتمام حکم خداوندی کی تعمیل میں تھا۔ اس مہم سے قبل ایک جنگ موتہ کے مقام پر لڑی گئی لیکن اس میں نبی علیہ السلام شریک ہوئے اور نہ اس میں بڑے پیمانے پر لشکر کشی کی نوبت آئی کہ اہل بدو کو اس میں شمولیت کی دعوت

دی جاتی۔ لیکن فتح مکہ کے لئے خود قرآن مجید نے مسلمانوں کو غیرت دلائی کہ اگر وہ اس مرحلہ پر نہیں اٹھیں گے تو دوبارہ کب اٹھنے کا وقت آئے گا۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانهم وهموا باخراج الرسول وهم بدءو کم اول مرة اتخشونهم فالله احق ان تخشوه ان کنتم مومنین (براءت 13)

(کیا تم ایسے لوگوں سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنے قول و قرار توڑ دیئے اور رسول کو نکالنے کی جسارت کی۔ اور وہی ہیں جنہوں نے تم سے جنگ چھیڑنے میں پہل کی۔ کیا تم ان سے ڈرو گے؟ اصلی حقدار تو اللہ ہے کہ تم اس سے ڈرو' اگر تم واقعی مومن ہو)

ظاہر ہے کہ یہ قریش ہی تھے جنہوں نے مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے وجود کو برداشت نہ کیا اور آپ کو ہجرت پر مجبور ہونا پڑا' پھر یہ قریش ہی تھے جنہوں نے بدر' احد اور احزاب کی جنگوں میں سردھڑ کی بازی لگا دی کہ وہ مسلمان گروہ کا استیصال کر دیں۔ اس کے بعد جب معاہدہ حدیبیہ ہو چکا تو یہ قریش ہی تھے جو اپنے قول و قرار توڑ کر معاہدہ کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے۔ ان کے جرائم گنا کر مسلمانوں کو اکسایا ہے کہ وہ ان کی طاقت سے مرعوب نہ ہوں اور صرف خدا کا ڈر دل میں رکھتے ہوئے اس اسلام دشمن گروہ سے برسرپیکار ہو جائیں۔ ان آیات کا اطلاق قریش کے سوا کسی دوسرے گروہ پر نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن مجید میں موجود اس واضح ہدایت اور نبی علیہ السلام کے داعیوں کو قبائل میں بھیجنے کے اقدام کے بعد کتب سیرت کی یہ روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ نبی ﷺ نے اس مہم کے مقاصد سے مسلمانوں کو بے خبر رکھا۔ جب خود قرآن اس مہم کے لئے مسلمانوں کو ابھار رہا تھا تو آنحضرت ﷺ کیوں اس کے برعکس طرز عمل اختیار کرتے اور مسلمانوں میں جہاد کے لئے جوش و جذبہ پیدا کرنے سے اجتناب فرماتے۔ قرآن نہ صرف جذبہ جہاد کو ابھار رہا تھا بلکہ واضح الفاظ میں اس مہم میں کامیابی کی بشارت بھی دے رہا تھا:

قاتلوهم یعذبهم الله بایدیکم ویخزهم وینصرکم علیهم ویشف صدور قوم مومنین ویذهب غیظ قلوبهم ویتوب الله علی من یشاء والله علیم حکیم (براءت 14' 15)

(تم ان سے لڑو' اللہ تمہارے ہاتھوں ان کو سزا دے گا' ان کو رسوا کرے گا' تم کو ان پر غلبہ دے گا' اہل ایمان کے ایک گروہ کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دلوں کا غم و غصہ دور فرمائے گا اور جن کو چاہے گا اللہ توبہ کی توفیق دے گا۔ اللہ علم و حکمت والا ہے)

ان آیات کی موجودگی میں ہمارے نزدیک وہ روایات قابل ترجیح ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا اور بتا دیا کہ آپ کا ارادہ مکہ پر حملہ کا ہے۔ امام ذہبی اپنی تاریخ اسلام کے حصہ المغازی میں لکھتے ہیں:

ثم امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالجہاز وامر اہلہ ان یجہزوہ ثم اعلم الناس بانہ یرید مکہ

(پھر رسول اللہ ﷺ نے جنگ کی تیاری کا حکم دیا' اپنے گھر والوں کو بھی آپ کے لئے تیاری کرنے کی ہدایت دی' پھر لوگوں کو بتا دیا کہ آپ کا ارادہ مکہ پر حملہ کا ہے)

زاد المعاد میں ہے: اعلم الناس انہ سائر الی مکہ فامرہم بالجد والتجہیز (آپ نے لوگوں کو خبر دی کہ آپ مکہ کو جانے والے ہیں۔ پھر ان کو معاملہ سنجیدگی سے لینے اور اس کے لئے تیاری کرنے کا حکم دیا)

اس مضمون کی روایات تاریخ طبری اور الکامل فی التاریخ میں بھی ملتی ہیں۔

بعض سیرت نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے مکہ جانے کا جو راستہ اختیار کیا وہ دشمن کو اندھیرے میں رکھنے کے لئے نہایت غیر معروف اختیار کیا گیا۔ حقائق اس بیان کے منافی ہیں۔ نہ صرف یہ کہ لوگوں کو منزل کا علم تھا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو روانگی کا پورا ٹائم ٹیبل اور سفر کی تمام منزلیں بھی بتا دی گئی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ منورہ سے 10 رمضان 8 ہجری کو جب مجاہدین مکہ کو روانہ ہوئے تو ان کی تعداد ساڑھے سات ہزار تھی۔ مدینہ اور مکہ کے درمیان مختلف منزلوں پر اردگرد کے قبائل کے مسلمان ان میں شامل ہوتے گئے حتی کہ مکہ کے قریب مر الظہران کی منزل پر پہنچتے پہنچتے لشکر کی تعداد دس ہزار ہو چکی تھی۔ جو قبائل راستے میں شامل ہوئے ان میں غفار' اشجع' بنو سلیم' خزاعہ اور بنو ضمرہ کے نام آتے ہیں۔ عام زندگی میں بھی جب تک پوری منصوبہ بندی کر کے مہم کے نظام الاوقات سے لوگوں کو آگاہ نہ کر دیا جائے اس میں ان کی شرکت کو یقینی نہیں بنایا جا سکتا۔ یہاں تو معاملہ طاقتور دشمن پر حملہ کا تھا' راستے کے قبائل کو نظام الاوقات سے بے خبر رکھ کر کوچ کے دوران ان کی شمولیت کی توقع کیسے کی جا سکتی تھی جبکہ یہ سارا سفر سات آٹھ دن میں طے کیا گیا۔

یوں بھی جس بڑے پیمانے پر لشکر کشی کا انتظام کیا گیا وہ عرب کی تاریخ میں اپنی مثال آپ تھا۔ ڈیڑھ دو درجن قبائل کی طرف فرستادے بھیج کر پیش نظر مہم میں شرکت کے لئے متحرک کیا گیا۔ سورہ فتح کی آیت نمبر 17 کی رو سے' معلوم ہوتا ہے' مسلمانوں کے ہر قابل جنگ فرد پر لازم کیا گیا تھا کہ وہ اس مہم سے پیچھے نہ رہے۔ صرف معذور و مریض افراد کو مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ مختلف علاقوں اور قبائل سے ہزاروں افراد کا مسلح ہو کر خاص تاریخوں میں یکجا ہو جانا ایک ایسا غیر معمولی واقعہ ہے جس کو چھپائے چھپایا نہیں جا سکتا۔ اپنی نوعیت کے اعتبار ہی سے ایسے واقعہ کی دھوم مچ جاتی ہے اور خاص طور پر ان لوگوں کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں جن کے خلاف کسی کارروائی کا امکان ہوتا ہے۔

رازداری کا نظریہ قائم ہونے کے اسباب:

دو باتیں ایسی ہیں جن کی بدولت سیرت نگاروں کا ذہن اس طرف گیا ہوگا کہ مکہ پر لشکر کشی بالکل

رازدارانہ انداز میں ہوئی۔ ایک حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا قریش لیڈروں کے نام خط جس کو لے کر ایک خاتون مکہ جا رہی تھی اور وہ راستے میں پکڑا گیا اور اس پر حاطبؓ کی جواب طلبی ہوئی۔ دوسری نبی ﷺ کی یہ دعا کہ اللہ تعالیٰ قریش کی آنکھوں اور کانوں پر پٹی باندھ دے اور مسلمان ان کو دفعۃً جا لیں۔

حاطبؓ کا معاملہ یہ ہے کہ ان کے اقربا مکہ میں تھے۔ وہاں ان کا کوئی حامی نہ تھا۔ حاطبؓ کو جب مکہ پر فوج کشی کا علم ہوا تو انہوں نے ایک مکتوب قریش میں اپنے بعض دوستوں کے نام لکھا جس میں خبر دی کہ نبی ﷺ اتنا بڑا لشکر لے کر تم پر حملہ آور ہونے والے ہیں جو رات کی طرح چھا جانے والا اور سیلاب کی طرح بہا لے جانے والا ہوگا۔ وہ تنہا بھی ہوں تو اللہ ان کی نصرت فرماتا ہے۔ اب تو وہ ان کے ساتھ اپنا وعدہ فتح و نصرت پورا کرنے والا ہے اس لئے تم اپنا بندوبست کر لو۔ مکتوب پکڑے جانے پر حاطبؓ کی جواب طلبی ہوئی تو انہوں نے وضاحت پیش کی کہ اس خبر کے پہنچانے میں مجھے یہ توقع تھی کہ قریش میرے احسان مند ہوں گے اور میرے اقربا کو کوئی گزند نہیں پہنچائیں گے۔ اس وضاحت پر حاطبؓ کو معاف کر دیا گیا۔ ہمارے نزدیک حاطبؓ کا واقعہ خود اس بات کا شاہد ہے کہ مدینہ میں لوگوں کو یہ اطلاع تھی کہ فوج کشی مکہ پر ہونے والی ہے۔ اس معاملے کو راز نہیں رکھا گیا تھا۔ جہاں تک حاطبؓ کی جواب طلبی کا تعلق ہے تو عسکری نظام میں کبھی یہ بات برداشت نہیں کی جاتی کہ اس کے فوجیوں کی وفاداریاں دشمن فریق کے ساتھ ہوں۔ اگر ایسے واقعات نوٹس میں آئیں تو ان کی تحقیق ضروری ہوتی ہے ورنہ اپنے ہی نادان فوجیوں کے ہاتھوں بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔ حضرت حاطبؓ نے اعلان براءت کے ان تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھا تھا جن کا ذکر ہم اوپر سورہ الممتحنہ کے حوالہ سے کر چکے ہیں۔

نبی ﷺ کی دعا کا معاملہ یہ ہے کہ جب معاہدہ کو قائم رکھنے کے لئے ابوسفیان کی کوشش ناکام ہو گئی اور اس پر یہ بات واضح ہو گئی کہ اب مسلمان قریش کے خلاف حالت جنگ میں ہیں تو وہ مدینہ سے پریشانی کے عالم میں نکلا۔ اس کو جاتے دیکھ کر آنحضرت ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے اللھم شد علی ابصارھم و اسماعھم فلا یرونی الا بغتہ (اے اللہ' قریش کی آنکھوں اور کانوں پر پٹی باندھ دے' اب وہ مجھے اچانک ہی دیکھیں) یہ الفاظ واقدی کے ہیں۔ زاد المعاد میں دعا کے الفاظ یوں ہیں اللھم خذ العیون والاخبار عن قریش حتی نبغتھا فی بلادھا (اے اللہ' قریش سے مشاہدات و اطلاعات روک لے جب تک ہم ان کے علاقے میں ان کو اچانک نہیں جا لیتے)۔ اس دعا کی قبولیت کی واحد شکل یہ نہیں ہے کہ قریش ایک عرصہ تک مدینہ کی تیاریوں سے بالکل تاریکی میں رہے ہوں اور ان کو قبائل میں مسلمانوں کی آمد و رفت اور تحریک جہاد کی مطلق خبر نہ ہونے پائی ہو۔ ایسا ہونا عملی زندگی میں کسی طرح ممکن نہیں ہوتا۔ قبائل میں سب مسلمان ہی نہ تھے مشرک بھی تھے جن کی ہمدردیاں قریش کے ساتھ تھیں۔ نیز مسلمانوں کے بعض حلیف قبائل مکہ سے اس قدر قریب آباد تھے کہ ان کی ہر حرکت قریش کے علم میں ہوتی تھی۔ ہمارے نزدیک یہ

ﷺ کی دعا اس طرح قبول ہوئی کہ قریش بے بسی کے ساتھ تمام صورت حال کو دیکھتے رہے لیکن یہ حوصلہ ان سے چھین لیا گیا کہ وہ مقابلہ کے لئے تیاری کر کے میدان میں اترتے اور مسلمانوں کو راستہ ہی میں جالیتے۔ آنکھیں اور کان رکھتے ہوئے مزاحمت کی توفیق نہ پانا نبی ﷺ کی دعا کی قبولیت نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی بات کو بعد میں آنحضرت ﷺ نے اس اسلوب میں بیان فرمایا کہ نصرت بالرعب کہ دشمن کی مرعوبیت کے ذریعے میری نصرت فرمائی گئی۔

حقیقت یہ تھی کہ صلح کے دو سالوں میں حالات میں بڑا تغیر واقع ہو چکا تھا۔ قریش کے چیدہ نوجوان لیڈر ___ خالد بن ولید' عمرو بن العاص' معاویہ بن ابی سفیان وغیرہم ___ ہجرت کر چکے تھے۔ مکہ کے گھر گھر میں اسلام کی دعوت نے لوگوں کو متاثر کر رکھا تھا۔ آٹھ سالہ کشمکش میں قریش کے ہاتھ کچھ نہیں آیا تھا۔ جنگوں میں ان کے بڑے سردار مارے جاچکے تھے۔ عرب قبائل میں ان کی ساکھ ختم ہو چکی تھی۔ پہلے جہاں مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ تین ہزار افراد میدان جنگ میں لائے جاسکتے تھے آج ان کا دس ہزار کا لشکر جرار مکہ پر یلغار کے لئے تیار تھا۔ ابو سفیان کی کوشش سے اگر مصالحت ہو جاتی تو قریش کی عزت رہ جاتی لیکن اس کے مشن کے ناکام ہو جانے سے قریش کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کا دم خم جاتا رہا۔ فی الواقع جب مسلمانوں کا لشکر مکہ کے جوار میں پہنچا تو طویل فاصلہ طے کرنے کے دوران قریش کی کسی مزاحمت کا اسے سامنا نہیں کرنا پڑا۔

قریش کی امان طلبی:

اسلامی فوج کا مرالظہران کا پڑاؤ مکہ سے ایک منزل پر ہوا۔ دس ہزار افراد کی لشکرگاہ ایک وسیع علاقے پر محیط تھی اور رات کے وقت جب مجاہدین نے آگ روشن کی تو دور دور تک پھیلی ہوئی روشنیاں غیر معمولی لشکر کشی کی غمازی کر رہی تھیں۔ روایات کے مطابق ان روشنیوں کو دیکھ کر مکہ کے تین سردار ـــ ابوسفیان' حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا خزاعی ـــ تحقیق کے لئے نکلے کہ دیکھیں کون سا قبیلہ یہاں فروکش ہے۔ مرالظہران پہنچ کر قریشی لیڈروں کا خیال ہوا کہ یہ بنو خزاعہ ہیں اور بدیل نے بھی اسی گمان کا اظہار کیا لیکن پھر سب کو خیال آیا کہ بنو خزاعہ کی نفری اس قدر زیادہ نہیں ہو سکتی' یہ کوئی دوسرا قبیلہ ہے۔ یہ لوگ باتیں کرتے ہوئے لشکر گاہ میں گھوم رہے تھے کہ حسن اتفاق سے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نبی ﷺ کے خچر پر سوار ادھر سے گزرے۔ یہ مکہ جانے والے کسی آدمی کی تلاش میں تھے جس کے ذریعے قریش کو یہ پیغام بھجوا سکیں کہ مسلمانوں کا لشکر ان کے سروں پر پہنچ چکا ہے۔ لہٰذا ان کے لئے مناسب ہو گا کہ وہ از خود نبی ﷺ سے رابطہ کریں اور جنگ سے بچ جائیں۔ عباسؓ نے اندھیرے میں ابوسفیان کی آواز پہچان لی' ان تینوں ہی لیڈروں کو ساتھ لیا اور نبی ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار لہراتے چلے آ رہے تھے اور ان کا مطالبہ یہ تھا کہ ابوسفیان اب قابو میں ہے۔ حکم ہو تو میں اس کی گردن اڑا دوں۔ نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ کو ٹھنڈا کیا اور حکم دیا کہ ابوسفیان رات یہیں گزارے' صبح ان سے بات

چیت ہو گی۔

یہ روایت جتنی مشہور ہے اتنی ہی غیر حقیقی اور غیر فطری ہے۔ اولاً بنو خزاعہ کا اہل مکہ کے ساتھ اتنا قریبی رابطہ تھا کہ ان کا کوئی بڑا اقدام قریش کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتا تھا۔ اگر ہزاروں خزاعی کسی مہم پر ہوتے تو اس کی تیاری ہی کے مراحل میں قریش کو اس کی خبر ہو جاتی۔ لہٰذا لشکر کو دیکھ کر ان کی طرف خیال جانا بالکل غیر فطری بات ہے۔ خود خزاعہ کے سردار بدیل ان تین افراد میں شامل تھے۔ کیا انھیں معلوم نہیں تھا کہ آج کل میرے قبیلہ کی سرگرمیاں کیا ہیں؟ اور کیا یہ قبیلہ اتنا خود سر تھا کہ اپنے سردار کی لاعلمی میں لشکر کشی تک کر لیا کرتا تھا؟ ثالثاً جاسوسی کے مشن پر سرداران قوم اور سالار لشکر خود نہیں جایا کرتے۔ اس مہم پر ہمیشہ دوسرے لوگوں کو بھیجا جاتا ہے تاکہ اگر کوئی افتاد پڑے تو بہت بڑا نقصان نہ ہو۔ اس روایت میں دو تو سرداران قبیلہ ہیں اور ایک اشراف مکہ کے نہایت اہم رکن اور یہ سب بالکل نہتے ایک اجنبی گروہ کی تحقیق کرنے کے لئے رات کے وقت نکلتے ہیں۔ ایسا ہونا روایت اور عادت کے خلاف ہے۔ رابعاً روایت کے مطابق حضرت عباسؓ ابھی تین دن پہلے اسلام قبول کر کے اسلامی لشکر میں شامل ہوئے تھے اور ظاہر ہے کہ وہ لشکر کے لئے خود اجنبی تھے۔ ان کو پہچاننے والے مہاجرین کی تعداد زیادہ سے زیادہ چند سو تھی۔ ان کا پورے اعتماد سے لشکرگاہ میں گھومنا ایک ایسا کام ہے جو ایک نووارد آدمی نہیں کر سکتا۔ خامساً حضرت عباسؓ اپنے طور پر جو کام کرنے چلے تھے وہ بظاہر ساری مہم کے مقاصد کے منافی تھا۔ نبی ﷺ تو اہل مکہ کو زیر کرنے کے لئے یلغار کر رہے تھے اور یہ درپردہ ان کو یلغار سے بچانا چاہتے تھے۔ اگر حاطبؓ بن ابی بلتعہ ایک خط لکھنے پر زیر عتاب آ سکتے ہیں تو حضرت عباسؓ کا معاملہ تو ان سے بھی زیادہ سنگین ہے کہ وہ اپنے طور پر قریش کو فوجی نوعیت کی اطلاع پہنچانے کے مقصد سے نکل کھڑے ہوئے لیکن ان سے بازپرس کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ سادساً حضرت عمر فاروقؓ جیسے مدبر بغیر یہ جانے کہ تین ہی سردار لشکر گاہ میں کیوں آئے ہیں ابوسفیان کے قتل کے درپے ہو جاتے ہیں حالانکہ اگر قتل ہی مقصود ہوتا تو یہ کام اس وقت بھی ہو سکتا تھا جب ابوسفیان معاہدہ حدیبیہ کو برقرار رکھنے کی درخواست لے کر مدینہ گیا تھا اور اس کی وہاں شنوائی نہیں ہوئی تھی۔

لہٰذا ہمارے نزدیک صورت واقعہ وہ نہ تھی جو اس مشہور روایت میں بیان کی گئی ہے۔ بلکہ اس سے بالکل مختلف تھی لیکن اس کو اس مشہور لیکن خلاف حقیقت روایت نے دبادیا اور اب اس کی بازیافت بھی مشکل ہو گئی ہے۔ بہرحال اس کے کچھ اشارات حسب ذیل ہیں:

1- صحیح بخاری کی کتاب المغازی کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

لما سار رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الفتح فبلغ ذلك قريشا خرج ابوسفيان و حكيم بن حزام و بديل بن ورقاء يلتمسون الخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فاقبلوا يسيرون حتى اتوا بمر الظهران فاذاهم بنيران كانها نيران عرفه ____ فراهم ناس من

حرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فادرکوھم فاخذوھم فاتوابھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(فتح کے سال جب رسول اللہ ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے اور قریش کو اس کی خبر ہوئی تو آنحضرت ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی غرض سے ابوسفیان' حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا مکہ سے نکلے۔ چلتے چلتے وہ مرالظہران پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وسیع پیمانے پر آگ جل رہی ہے جیسی کہ میدان عرفات میں ہوتی ہے ____ پھر ان کو رسول اللہ ﷺ کے پہرہ داروں نے دیکھا تو ان کو جالیا اور گرفتار کر کے نبی ﷺ کی خدمت میں لے گئے)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قریش مدینہ کے عزائم کے بارے میں بالکل اندھیرے میں نہیں تھے۔ ان کو لشکر کی روانگی کی اطلاع مل چکی تھی۔ مرالظہران کی روشنیاں ان کو مکہ میں نظر نہیں آئیں بلکہ عین وادی میں پہنچ کر نظر آئیں۔ نبی ﷺ کا لشکر ایسا بے خبر ہو کر فروکش نہیں تھا کہ جو چاہے اس میں گھس آئے بلکہ اس کے اردگرد پہرہ تھا تاکہ کوئی غیر متعلق آدمی لشکر گاہ میں داخل نہ ہو سکے۔ حضرت عباس ؓ کی سرداروں کو اپنی معیت میں آنحضرت ﷺ کے پاس نہیں لے گئے بلکہ پہرہ داروں نے ان لوگوں کو اجنبی سمجھ کر گرفتار کرلیا اور آنحضرت ﷺ کے حوالہ کر دیا' جیسا کہ فوجی نظم و ضبط کا تقاضا تھا۔

2- طبری نے اپنی تاریخ میں حضرت ہشام بن عروہؓ کے ایک خط کا حوالہ دیا ہے جس میں انہوں نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کے ایک استفسار کے جواب میں فتح مکہ کے احوال لکھ بھیجے۔ اس کے مطابق قریش نے رسول اللہ ﷺ کے عزائم معلوم کرنے کے لئے دو آدمیوں کا ایک وفد تشکیل دیا۔ اس میں ابوسفیان اور حکیم بن حزام شامل تھے۔ ان دونوں نے روانہ ہوتے وقت بدیل بن ورقاء کو بھی ساتھ لینا مناسب سمجھا۔ یہ لوگ مرالظہران پہنچے' آنحضرتؐ سے ملاقات کی اور اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرتؐ نے ان کو مکہ روانہ کر دیا کہ وہاں پہنچ کر لوگوں کو اطاعت قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اس کی علامت کے طور پر جو شخص ابوسفیان یا حکیم بن حزام کے مکان میں داخل ہو جائے گا یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اور ہتھیار نہیں اٹھائے گا اس کو امان حاصل ہو گی۔

3- طبقات ابن سعد کی روایت یہ ہے کہ قریش کو مسلمانوں کے لشکر جرار کے متوقع حملہ سے سخت پریشانی لاحق تھی۔ انہوں نے ابوسفیان کو بھیجا کہ اگر وہ نبی ﷺ سے ملاقات کر پائیں تو اہل مکہ کے لئے عفو عام کے طالب ہوں۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عفو عام طلب کرنے کے لئے یہ وفد خود تشکیل دیا تھا۔ یہ لوگ مرالظہران گئے تو پہلے خود اسلام قبول کیا اور پھر اہل مکہ کو نبی ﷺ کی اطاعت قبول کرنے کی دعوت دینے کے لئے

واپس مکہ گئے اور یہ نوید لے کر گئے کہ ہر اس شخص کو امان حاصل ہے جو اسلامی لشکر کا مقابلہ نہ کرے اور ہتھیار نہ اٹھائے۔ یہ ایک عفو عام تھی لیکن ہتھیار نہ اٹھانے سے مشروط تھی۔

ان تمام روایات کی روشنی میں جو صورت واقعہ سمجھ میں آتی ہے وہ کچھ یوں ہے کہ قریش کو یہ اطلاع ہو چکی تھی کہ رسول اللہؐ ایک لشکر جرار کے ساتھ مکہ کی طرف نہایت تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ ان کو اپنی وعدہ خلافی بھی یاد تھی اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے معاہدہ توڑنے کے باعث آنحضرتؐ نے ان کے لئے نہایت سخت رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ لیکن اب ان میں پہلے کا سا دم خم نہیں تھا۔ ان کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ مجاہدین کے مقابلہ پر نکلنا ان کو خودکشی کے مترادف نظر آتا تھا۔ لہٰذا قریشی لیڈروں نے نہایت حقیقت پسندانہ فیصلہ کیا اور اپنے سالار لشکر کو ہتھیار ڈالنے اور اس کے بدلے میں اپنی قوم کے لئے عفو عام طلب کرنے کے لئے آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا۔ اس بدگمانی کے سدباب کے لئے کہ یہ فیصلہ کہیں ابوسفیان کا محض ذاتی فیصلہ نہ ہو بلکہ تمام قریش اس میں شریک نظر آئیں' انہوں نے حکیم بن حزام اور بدیل کو ساتھ کر دیا۔ آنحضرت نے اس وفد کی پذیرائی فرمائی۔ ان کی پیشکش پر غور کیا۔ ہو سکتا ہے رات کے وقت اپنے معتمد ساتھیوں سے بھی اس کے بارے میں مشورہ کیا ہو۔ پھر یہ خیال فرما کر کہ ہو سکتا ہے تمام قریش اس مسئلہ میں متحد الخیال نہ ہوں آپ نے عفو عام صرف ان لوگوں کو دی جو ہتھیار نہ اٹھائیں اور گھروں میں بیٹھ رہیں۔ لشکر کی آگے روانگی سے قبل آنحضرتؐ نے ارکان وفد کو امان کا یہ حکم سنانے کے لئے مکہ روانہ کر دیا۔

صورت واقعہ کی اس تصویر کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ اس میں یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ "عنقریب تم لوگ ایک طاقتور حریف سے لڑنے کے لئے بلائے جاؤ گے' تم کو ان سے جنگ کرنی ہو گی یا وہ اطاعت قبول کر لیں گے۔" (فتح 16) آیت میں 'یسلمون' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو ہتھیار ڈالنے پر بھی دلالت کرتا ہے اور اسلام قبول کرنے پر بھی۔ مرالظہران کی کارروائی میں دونوں باتیں پیش آئیں اور اسی کا مظاہرہ اگلے روز مکہ میں اس وقت ہوا جب مجاہدین وہاں پہنچے۔

وفد قریش:

قریش کے سہ رکنی وفد کی تشکیل اس مقصد کے لئے نہایت موزوں ہے جس کا حصول اس کے پیش نظر تھا۔ ابوسفیان قریش کا سردار اور سالار جنگ تھا۔ جو دلچسپی اپنی قوم کے مستقبل کے ساتھ اس کو تھی وہ کسی دوسرے لیڈر کو نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ جو فیصلہ کرتا وہ عرب کے معروف کے مطابق پورے قبیلہ کا فیصلہ تھا۔ آدمی نہایت حقیقت پسند تھا۔ کچھ عرصہ قبل جب رسول اللہ ﷺ نے شاہ روم ہرقل کو اسلام کی دعوت دینے کی غرض سے مکتوب بھیجا تو ہرقل نے حقیقت تک پہنچنے کی خاطر حکم دیا کہ اگر کوئی عربی تاجر ملک شام میں آیا ہوا ہو تو اس کو پیش کیا جائے۔ اتفاق سے ابوسفیان شہر میں تھا۔ وہ دربار میں گیا تو شاہ روم نے اس سے نبی ﷺ کے بارے میں متعدد سوالات کئے۔ ابوسفیان نے ان سوالوں کے ٹھیک ٹھیک جوابات دیئے' نبی ﷺ کے بارے میں پوری دیانتداری

کے ساتھ رائے دی اور آنحضرتؐ کے ساتھ اپنی سیاسی و مذہبی مخالفت کے باوجود اس نے آنحضرتؐ کے امیج کو خراب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس پر جب شاہ نے یہ تبصرہ کیا کہ یہ تمام علامات ایک سچے نبی کی ہیں اور ایک دن اس کا اقتدار اس جگہ پر بھی ہو گا جس جگہ میں بیٹھا ہوں تو ابوسفیان نے نہایت درست رائے قائم کرتے ہوئے ساتھیوں سے کہا کہ ابن ابی کبشہ (حضرت محمد ﷺ) کا معاملہ اب بہت بڑھ گیا ہے' اب تو گوروں کا بادشاہ بھی اس سے ڈرنے لگا ہے۔ گویا ابوسفیان یہ رائے قائم کر چکا تھا کہ اب اسلام کی دعوت کے آگے بند باندھنا ممکن نہیں رہا۔ چونکہ وہ سالار جنگ بھی تھا اس لئے اس کا ہتھیار ڈالنا تمام قریش کے ہتھیار ڈالنے کی علامت تھا۔ وفد کا دوسرا رکن حکیم بن حزام قریش کی اشرافیہ کا نہایت معتدل مزاج رکن تھا۔ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھتیجا اور نبی ﷺ کا بچپن کا دوست تھا۔ بدیل بن ورقاء بنو خزاعہ کا سردار قبیلہ تھا جو مکہ میں قیام پذیر تھا۔ اس کا قبیلہ شروع ہی سے نبی ﷺ اور مسلمانوں کے لئے اچھے جذبات رکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حدیبیہ کا معاہدہ ہوا تو اس قبیلہ نے مسلمانوں کا حلیف ہو کر معاہدہ میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔ لہٰذا بدیل کی نمائندگی ایک حلیف قبیلہ کی نمائندگی اور قریش کے حق میں ایک سفارش تھی۔ مرالظہران پہنچ کر وفد کے تینوں ارکان نے اسلام قبول کیا اور اپنی قوم اور اہل مکہ کے لئے عفو عام کی درخواست کی۔ نبی ﷺ کے لئے اس سے بڑی خوشخبری کیا ہو سکتی تھی کہ تمام اہل مکہ اطاعت کر لیں اور امن و امان سے شہر میں داخلہ ممکن ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے تینوں لیڈروں کی درخواست کو شرف قبول بخشا۔

ابوسفیان کا قبول اسلام:

ابوسفیان کے قبول اسلام کے بارے میں دو مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت کے مطابق جب وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے دریافت فرمایا ابوسفیان کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم مان جاؤ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں'۔ انہوں نے جواب دیا' خدا کی قسم' اگر اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو ہمارے کچھ کام آتا'۔ پھر آپ نے پوچھا' کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم مان جاؤ کہ میں اللہ کا رسول ہوں'۔ ابوسفیان نے کہا' میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ کتنے حلیم و کریم اور درگزر کرنے والے ہیں۔ بخدا میں ابھی تک اس معاملے میں پوری طرح مطمئن نہیں ہوں'۔ اس جواب پر حضرت عباسؓ نے ابوسفیان سے کہا' تمھارا ناس ہو۔ اس سے پہلے کہ تمھیں قتل کر دیا جائے گواہی دے دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں'۔ اس پر ابوسفیان مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عباسؓ نے نبی ﷺ سے سفارش کی کہ ابوسفیان سردار قوم ہیں۔ ان کو فخرو امتیاز کی بات پسند ہے۔ آپ ان کو کوئی خصوصیت عطا فرمائیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ مامون ہے۔

اس روایت میں ابوسفیان کو قتل کی دھمکی دے کر اسلام قبول کروانا دین سے ناواقفیت پر دلالت

کرتا ہے۔ ایسا کلام آنحضرتؐ کی موجودگی میں نہیں ہو سکتا۔ مشرکین کے اسلام کے لئے جو ضابطہ تھا وہ سورہ براءت کی ابتدائی آیات میں بیان ہو چکا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ مشرکین کو چار ماہ کا نوٹس دیا جائے۔ اس کے باوجود اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو وہ قتل کئے جا سکتے ہیں۔ ہرقل کے سامنے ابوسفیان کے بیان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ نبی ﷺ کی رسالت کا قائل ہو چکا تھا۔ باقی رہی اس کے فخرو امتیاز کی بات تو جب سرداران مکہ کی آمد کا مقصد ہی یہ طے پایا کہ وہ قوم کے لئے امان کے طالب بن کر آئے تھے تو ان کی قدر افزائی کے لئے یہی مناسب تھا کہ ان کے مکانوں کو بھی لوگوں کے لئے دارالامان قرار دے دیا جائے۔ اس کام کے لئے ان کے فخرو مباہات کو پسند کرنے کی بات غیر ضروری ہے۔ مکہ میں تو ہر اس شخص کو تحفظ کی یقین دہانی کرائی گئی تھی جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے۔ پھر اس معاملہ میں ابوسفیان کی خصوصیات کیا رہ گئی؟

اس کے برعکس حافظ ذہبیؒ نے دوسری روایت نقل کی ہے۔ اس کی رو سے نبی ﷺ کے استفسار کے جواب میں ابوسفیان کا جواب یہ تھا کہ میں نے اس جدوجہد میں اپنے معبودوں سے مدد طلب کی اور آپ نے اپنے خداوند سے۔ بخدا ایک بار بھی تو ایسا نہیں ہوا کہ ہمارا مقابلہ ہوا ہو اور آپ غالب نہ رہے ہوں۔ اگر میرے معبود برحق اور آپ کا خدا باطل ہوتا تو کبھی تو میں بھی آپ پر غلبہ پاتا۔ لہٰذا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ یہ روایت موقع و محل کے مطابق صحیح معلوم ہوتی ہے۔

مکہ میں مجاہدینؓ کا داخلہ:

لشکر کو مکہ کی جانب کوچ کا حکم ملا تو نبی ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ ابوسفیان کو اسلام کی شوکت کا مشاہدہ کرایا جائے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ کے ہمراہ وہ ایک ٹیلے پر کھڑے ہو گئے اور مہاجرینؓ انصار اور دوسرے قبائل عرب کے لشکروں کا گزر دیکھتے رہے۔ روایات میں ہے کہ جب حضرت سعد بن عبادہؓ جو انصار کے لیڈر اور ایک دستہ کے سالار تھے ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا۔ الیوم یوم الملحمه الیوم تستحل الکعبه الیوم اذل الله قریشا (آج گھمسان کا دن ہے' آج کعبہ کی حرمت باقی نہ رہے گی' آج اللہ تعالیٰ قریش کو ذلیل کرے گا) ابوسفیانؓ کو بجا طور پر ان جملوں سے وحشت ہوئی کیونکہ یہ الفاظ اس امان کی نفی کرتے تھے جس کا وعدہ نبی ﷺ نے ابوسفیان سے کیا تھا۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے اس طنزیہ کلام کی شکایت کی۔ آپ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا: الیوم یوم المرحمه الیوم تعظم فیه الکعبه الیوم اعز الله فیه قریشا (آج شفقت کا دن ہے' اس دن میں کعبہ کی عظمت بحال ہو گی' آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزت عطا فرمائے گا) اس کے بعد حکم دیا کہ حضرت سعدؓ اپنے دستے کی کمان اپنے بیٹے حضرت قیس بن سعدؓ کے حوالے کر دیں تاکہ امان کے معاملہ میں اہل مکہ کے دلوں میں کوئی بدگمانی پیدا نہ ہو۔ اسلامی لشکر کا نظارہ کرنے کے بعد وفد کے ارکان عفو عام کے اعلان کے لئے مکہ روانہ ہو گئے۔ انہوں

نے وہاں جا کر اس قرارداد کی منادی کی اور لوگوں کو گھروں میں بند رہنے کا مشورہ دیا۔ اس دوران میں آنحضرتؐ نے فوجوں کو مکہ کے نواحی علاقہ ذوطویٰ میں رکنے کا حکم دیا۔

ذوطویٰ میں نبی ﷺ نے لشکر کی ترتیب نو کی اور ان کو سختی سے یہ ہدایت کی کہ وہ کسی کو قتل کریں اور نہ جنگ کے لئے پہل کریں۔ مکہ میں داخلہ بالکل پرامن ہو اور اہل مکہ کے لئے امان کے حکم کی پوری پوری تعمیل کی جائے۔ آپ نے خالد بن ولیدؓ کو مکہ کی زیریں جانب سے داخل ہونے کا حکم دیا اور زبیر بن العوامؓ کو بالائی جانب سے، قیس بن سعدؓ کا لشکر شہر کے مغرب میں کدا سے داخل ہوا اور آنحضرتؐ خود اذاخر کے راستے سے مکہ میں داخل ہوئے۔ اپنے مشن کی تکمیل کے اس مرحلہ میں آپ کی زبان سورہ نصر اور سورہ فتح کی تلاوت میں مصروف تھی اور اللہ رب العزت کے عظیم احسان کو دیکھتے ہوئے کہ اس نے مکہ میں پر امن داخلہ ممکن بنایا آپ کا دل عاجزی اور شکرگزاری کے جذبات سے معمور تھا جس کا اظہار سواری پر آپ کی جھکی ہوئی گردن سے ہو رہا تھا۔

خالد بن ولیدؓ کے دستے کو قریش نوجوانوں کی ایک ٹکڑی نے روکنے کی کوشش کی۔ اس کا انتظام تین قریشی لیڈروں صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو نے کیا تھا جو ہتھیار ڈالنے کے فیصلہ کے مخالف تھے۔ لیکن یہ مزاحمت اتنی کمزور تھی کہ مسلمانوں کا تو کوئی نقصان نہ ہوا البتہ شرپسندوں کے بارہ تیرہ آدمی کھیت رہے۔ باقی تمام افواج کا داخلہ بالکل پرامن رہا۔ نبی ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ خالد بن ولیدؓ کے دستے نے جنگ کی ہے تو آپؐ کو اس کا بڑا قلق ہوا۔ لیکن تحقیق سے جب پتہ چلا کہ غلطی خالد کی نہیں بلکہ زیادتی کا ارتکاب قریش کے بعض شرارتی عناصر نے کیا تو آپ نے اس کو تقدیر کا لکھا قرار دیا۔

تمام مسلمان سپاہ مکہ کے وسط میں جمع ہوئی جہاں مقام حجون میں نبی ﷺ کے لئے خیمہ نصب کیا گیا۔ فتح مکہ کا یہ عظیم واقعہ 20 رمضان 8 ہجری کو پیش آیا۔

تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ

		پیسے روپے
1	مجموعہ تفاسیر فراہی	۲۴۰-۰۰
2	حکمت قرآن	۰۰-۰۰
3	اقسام القرآن	۰۰-۰۰
4	ذبیح کون ہے	۰۰-۰۰

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

1	تدبر قرآن: (۹ جلد)	۲۱۶۰-۰۰
	: (فی جلد)	۲۴۰-۰۰
2	مبادی تدبر قرآن	۷۵-۰۰
3	مبادی تدبر حدیث	۶۳-۰۰
4	حقیقت شرک و توحید	۹۰-۰۰
5	حقیقت نماز	۳۹-۰۰
6	حقیقت تقویٰ	۳۹-۰۰
7	تزکیہ نفس: جلد اول (شائع کردہ ملک سنز)	۰۰-۰۰
	: جلد دوم	۷۵-۰۰
8	دعوت دین اور اس کا طریق کار	۴۸-۰۰
9	اسلامی قانون کی تدوین	۵۱-۰۰
10	اسلامی ریاست	۰۰-۰۰
11	اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	۵۱-۰۰
12	اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	۷۵-۰۰
13	قرآن میں پردے کے احکام	۱۰-۰۰
14	فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	۴۸-۰۰
15	تفہیم دین	۶۳-۰۰
16	مقالات اصلاحی: جلد اول	۹۹-۰۰
	: جلد دوم	۰۰-۰۰
	: جلد سوم	۰۰-۰۰

فاران فاؤنڈیشن

122۔ فیروزپور روڈ، اچھرہ، لاہور۔ 54600۔ پاکستان۔ فون: ۰۴۲-۷۵۸۰۸۰۰